889
13/11/367

ستمبر ۸۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- مثیلِ عیسیٰؑ، علی مرتضیٰؓ کے فضائل و مناقب
چوتھے خلیفہ راشد کی سیرت پر ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب کی آخری قسط
- تربیت اولاد اور والدین کی ذمہ داریاں
سورۃ تحریم کی روشنی میں (بسلسلۂ الھدیٰ)

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

CONCRETE FACTS

HIGHLIGHTS IN PRECASTING

— Pioneered the development of precast prestressed concrete industry in Pakistan.
— Covered more than 100,00,000 sq. feet area by our precasts throughout Pakistan
— More than 12 different kinds of roofing systems available Latest development is Double Tee Planks upto 60 long and hollow-core slabs upto 30' long.

HIGHLIGHTS IN CONSTRUCTION

— The group started activities in 1960, constructed 8-Sugar Mills, 5-Dozen Textile Mills, 2-Jute Mills, 1-Cement Factory, 2-Paper Mills, 5-Beverage Plants, Silos for Seed Processing Plants, Chemical Plants, Prill Towers for Fertilizer Factories 50,00,000 sft of shall type structure for numerous industries and hundreds of other industrial buildings and Terminal-III at Karachi Airport.

IZHAR GROUP OF COMPANIES

Leaders of innovative construction and precasting technology

H/O Izhar House 3 Riyaz Garden, P O Box 763, Lahore
Tel 320108, 320109, 321748, 55629 Telex: 44974 IZHAR PK

Sales Offices Throughout Pakistan

Muridke (Lahore) Phone : 700510
Karachi Phone : 312080
Jauharabad Phone : 588, 590,
Peshawar Phone : 78254
Rawalpindi Phone : 64765
Multan Phone : 34073, 73469
Faisalabad Phone : 51341, 51343

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد ۳۶
شمارہ ۹
محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
ستمبر ۱۹۸۷ء
فی شمارہ ‎-/۵
سالانہ زرتعاون ‎-/۵۰

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مینجنگ ایڈیٹر
اقتدار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوحا، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال یا ‎-/۱۱۵ روپے پاکستانی
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر۔	۶ امریکی ڈالر یا ‎-/۱۰۰ روپے پاکستانی
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔	۹ امریکی ڈالر یا ‎-/۱۵۰ "
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۱۲ امریکی ڈالر یا ‎-/۲۰۰ " "

ترسیل زر: ماہنامہ میثاق لاہور یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۱۴ (پاکستان) لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: ۸۵۲۶۸۳
سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی فون ۲۱۶۵۸۶
طابع: چوہدری رشید احمد مطبع: مکتبہ جدید پریس شاہراہ فاطمہ جناح، لاہور

مشمولات

عرض احوال ———— ۳
اقتدار احمد

الہدیٰ (نشست نمبر ۴۵) ———— ۱۱
تربیتِ اولاد اور والدین کی ذمہ داریاں
ڈاکٹر اسرار احمد

مثیل عیسےٰؑ، علی مرتضےٰؓ کے فضائل ومناقب ———— ۱۹
چوتھے خلیفۂ راشد کی سیرت پر اہم خطاب کی آخری قسط
ڈاکٹر اسرار احمد

شریعت بل یا فقۂ حنفی! ———— ۳۷
نفاذِ شریعت کے موضوع پر اہم مقالے کا تکملہ
مولانا سید حامد میاں مدظلہٗ

یادِ رفتگاں ———— ۴۵
مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم ومغفور
مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حُسنِ انتخاب ———— ۵۹
معلّم قرآن، حضرت مصعبؓ بن عمیر
طالب ہاشمی

رفتارِ کار ———— ۷۳
امیرِ تنظیمِ اسلامی کا حالیہ دورۂ امریکہ
ادارہ

افکار و آراء ———— ۸۷
i) مرادآباد (بھارت) سے ایک مکتوب
ii) "عمل، وعظ کا ثمر ہوتا ہے"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتدار احمد

عرض احوال

۱۴ر اگست کو پاکستان شمسی کیلنڈر کے حساب سے بھی چالیس سال کی عمر پوری کر کے اکتالیسویں سال میں داخل ہو گیا۔ "عید آزادی" کے دھوم دھڑکے 'ڈھول تاشے' "ملی نغموں" کے شور اور روشنیوں کی چکاچوند میں عام لوگوں کو تو اس طرف دھیان دینے کا موقع نہیں دیا گیا تاہم ملک کے سوچنے سمجھنے والے طبقات کے سامنے شیخ سعدی کا یہ شعر بار بار ایک سوالیہ نشان کی شکل میں ابھرتا رہا کہ ۔

چہل سال عمر عزیزت گذشت
مزاج تو از حال طفلی گشت

چالیس سال کی عمر کا انسان کی شعوری زندگی سے ایک خاص تعلق ہے اور قرآن کریم کے فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں قوموں کی داستانِ عروج و زوال میں بھی سن و سال کے اس پیمانے کو ایک خصوصی مقام حاصل ہوا۔ بہت سی دوسری اقوام بھی جن کا ذکر ہماری کتاب ہدایت میں ملتا ہے شاید اس موقع پر خاص مرحلوں سے گذری ہوں لیکن بنی اسرائیل کے بارے میں ہمیں تعین سے بتایا گیا ہے کہ اپنے نبی حضرت موسیٰ (علی نبینا و علیہ السلام) کو ٹکا سا جواب دینے کے بعد اور نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چالیس سال کی دشت نوردی کی خدائی تعزیر بھگت کر اس کے ہوش ٹھکانے آئے اور صحرائے سینا کی سختیاں جھیل کر ہی اس کی نئی نسل میں ارضِ موعود حاصل کرنے کی جدوجہد کا حوصلہ پیدا ہوا تھا۔

آج سے لگ بھگ ڈیڑھ برس پہلے جب ملک خداداد قمری تقویم کے حساب سے اپنی عمر کے چالیس سال پورے کرنے کو تھا' امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے خطاباتِ عام میں پہلی بار قرآنی فلسفۂ تاریخ سے استفادہ کرتے ہوئے مسلمانانِ پاکستان کو ادھر متوجہ کیا۔ ان کے نزدیک اسلامی سال قمری تقویم سے ہی شمار ہوتے ہیں نیز بتوفیق ایزدی انہیں یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ اپنے رہوار فکر کو کھلے میدانوں میں چوگان کے لئے نہیں چھوڑ دیتے' ان کی سوچ کا منبع اور فکر کا مدار قرآن کریم اور بحث و استدلال کا تانا بانا حبل اللہ المتین ہے جس پر وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتے۔ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صراحت بھی نہیں بھولتی کہ امت مسلمہ پر وہی کچھ بیتے گا جو بنی اسرائیل پر گذرا' اس لئے کہ اسی کو اللہ کے دین کے علم برداری کے منصب سے معزول کر کے ہمیں یہ ذمہ داری

سونپی گئی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کا ذکر جس تفصیل اور تکرار سے وارد ہوا اس کا موازنہ کسی اور قوم یا گروہ کے احوال سے نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں اس پوری بحث کا اعادہ ممکن نہیں جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اولاً روزنامہ "جنگ" کے تمام ایڈیشنوں کے ذریعے بالاقساط وسیع تر اخبار بین حلقے تک پہنچائی، پھر کتابی شکل میں عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ "استحکام پاکستان" کے عنوان سے خاصی بڑی تعداد میں اسے شائع اور تقسیم کیا اور اسی پر بس نہ کی، کتاب کے نسخے ملک کے پڑھے لکھے اور سوچنے سمجھنے والے درد مندوں تک بالالتزام پہنچائے اور اس پر مستزاد بڑے شہروں میں اس کے بارے میں عام بحث اور اتفاق و اختلاف کے اظہار کا موقع دینے کے لئے مذاکروں کا اہتمام بھی کیا..... مقصود اس ساری تگ و دو سے یہ تھا کہ اہل وطن خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے جس نقض عہد اور روگردانی کے مرتکب ہو چکے ہیں اس کا کفارا توبہ، تجدیدِ عہد اور اصلاح احوال کے عملی آغاز سے کریں تو اس کی رحمت سے بعید نہیں کہ بے مقصدیت کے صحرائے تیہہ میں ہماری یہ چالیس سالہ دشت نوردی اسی طرح نتیجہ خیز ثابت ہو جیسے ایک بار پہلے ہو چکی ہے۔ لیکن یہ فغانِ درویش سنی ان سنی کر دی گئی..... یہاں تک کہ مغربی پیمانوں کے عادی ہمارے دانشورانِ قوم کے چالیس سال بھی اس ماہ پورے ہو گئے۔

اخبارات و جرائد نے اس موقع پر بہت سے مرثیے اور نوحے شائع کئے جن میں لکھنے والوں نے وطن کے حالِ زار پر آنسو بہا کر دل کی بھڑاس نکالنے کی سعی کی ہے لیکن اس ضمن میں موقر روزنامہ "نوائے وقت" نے اشاعت ۱۶ راگست میں اپنے مستقل لکھنے والے ایک صاحب کی جو تحریر "پاکستان کے دورِ ابتلا کا خاتمہ اور دورِ عروج کا آغاز" کے عنوان سے شائع کی ہے اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ فاضل مقالہ نگار نے ابتداء میں اسی بحث کا گویا خلاصہ پیش کیا ہے جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تاریخ بنی اسرائیل کے مذکورہ بالا اہم ترین باب کے سلسلے میں شرح و بسط کے ساتھ ڈیڑھ سال قبل کی تھی، (یہ اگر استفادۂ نامشکور ہے تب بھی گلہ نہیں۔ تو ارد ہے تو مبارک و مسعود) لیکن پھر جو نتیجہ نکالا اس پر منطق کی سٹی گم ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ تیور استدلال کا یہ ہے کہ غلامی کے اثرات سے گلو خلاصی کرانے میں بنی اسرائیل کو چالیس سال لگے اور اس کے بعد ان کا دورِ عروج شروع ہو گیا تھا۔ اور چونکہ ہمیں بھی غلامی کے جوئے سے گردن چھڑائے چالیس سال ہو گئے ہیں لہٰذا آج سے ہمارا بھی دور عروج شروع ہوتا ہے۔ سبحان اللہ و الحمد للہ علی ذالک کون بدبخت اس آرزو کو دل میں

پروان چڑھ رہا ہے کہ ہماری ہچکولے لیتی کشتی ساحلِ مراد سے جا لگے۔ ملک و قوم کا کوئی دشمن ہی ہو گا جو دورِ عروج کے آغاز اور اس کی بہار کھلی آنکھوں دیکھنے کا خواہش مند نہ ہو لیکن کاش ہمارے حالات اور بنی اسرائیل کے سنبھلنے کے انداز میں کوئی مماثلت پائی جاتی۔ کاش ہم نے خوش فہمیوں کے نشے میں مست رہنے کی بجائے حقیقت پسندی کا ہوش مندانہ رویہ اپنایا ہوتا۔

کیا اس تلخ اور حد درجہ ناگوار موازنے پر بات کرنے کی ضرورت ہے کہ بنی اسرائیل کی نئی نسل نے تو اپنے آباء کی کوتاہیوں اور غلط کاریوں سے رجوع کر کے اصلاحِ احوال کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ ہماری نئی نسل نے کیا کیا۔ یہاں تو صورت حال بالکل برعکس ہے۔ اخلاقی' دینی اور سیاسی انحطاط کا جو عمل آزادی کے متصلاً بعد شروع ہوا تھا اس کی گھمبیرتا ہر نئے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔ کردار کا بحران گہرائی اور گیرائی میں روز بروز وسعت اختیار کر رہا ہے۔ مرض کی علامات شدید ہیں اور سب سے بڑی بیماری یہ کہ ؎

مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

محترم مولانا حامد میاں مدظلہٗ کا مقالہ پچھلے شمارے میں شامل تھا اور شمارہ زیرِ نظر میں اس کا تکملہ بھی بے کم و کاست شائع کیا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بارے میں مولانا نے جو بظاہر تلخ و تند استعارے استعمال کئے ان میں بھی کوئی ردوبدل نہیں کیا گیا کیونکہ ہم پر مولانا کا خصوصی اکرام بوجوہ لازم آتا ہے۔ اس قحط الرجال میں ان کا دم ہمارے لئے اس اعتبار سے بھی غنیمت ہے کہ وہ نہ صرف تنظیم اسلامی کے حلقۂ مستشارین میں شامل ہیں بلکہ عندالطلب تعاون بھی فرماتے ہیں۔ ہمارے لئے ان کی سرزنش بھی نصح و خیر خواہی میں محسوب ہو گی لیکن گذارش احوال واقعی کے طور پر عرض ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن و سنت سے براہ راست استنباط کرتے ہوئے تمام مسائل کا نہیں صرف "آج کے مسائل" کا حل تلاش کرنے کو درست قرار دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اور ان کی تنظیم کے رفقاء فلسفہ و فکرِ دین اور معاملات دینی میں علمائے سلف کے "عروۃ الوثقیٰ" سے جیسے استمساک کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور ہر کہ و مہ کی پھبتیاں اور بول سہتے ہوئے بھی جس انشراحِ صدر کے ساتھ سلف کے ہی نہیں معاصر علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین کے ساتھ بھی تعلق

استوار رکھتے ہیں وہ واقفان حال اور خود مولانا سے بھی پوشیدہ نہیں۔ لیکن حسرت آتی ہے کہ مآل اُس کا یہ ہے کہ ؎

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

مولانا حامد میاں مدظلہ کا یہ فرمانا سر آنکھوں پر کہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں درجنوں کی تعداد میں ایسے رجسٹر موجود ہیں جن میں مسائل کو حل کر کے دکھایا گیا ہے۔ وہ یقیناً علم و آگہی کا بیش قیمت ذخیرہ ہیں اور ان سے استفادے کو ہم لازماً "اقول" پر فوقیت دیتے ہیں لیکن دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ کیا اس امکان کو یکسر رد کیا جاسکتا ہے کہ محولہ بالا رجسٹروں میں کوئی مسئلہ شامل ہونے سے رہ گیا ہو اور دوسری یہ کہ اس واقعاتی حقیقت کی موجودگی میں کہ صدیوں پر محیط ہمارے اس زمانے میں (جو بدقسمتی سے ختم ہونے کا نام نہیں لیتا) شریعت اسلامیہ عملی سے زیادہ نظری مباحث کا موضوع رہی ہے تو کیسے ممکن ہے کہ پاکستان میں اس کے عملی نفاذ پر (کاش وہ دن ہمیں دیکھنا نصیب ہو) کچھ نہ کچھ تازہ مسائل پیدا نہ ہوں جبکہ زمانہ قیامت کی چال چل رہا ہے۔ ان مسائل کو دیگر "جدید" ذرائع سے (جن کے پرجوش و سرگرم وکلاء سے ہمارے دانشوروں کی صفیں اٹی پڑی ہیں) حل کرنے کی بجائے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اگر قرآن و سنت سے براہ راست استنباط کا ذکر کرتے ہیں تو ان پر ضلالت اور بر خود غلط ہونے کا الزام جڑنا مولانا حامد میاں جیسے ثقہ بزرگوں کے مرتبے سے فروتر ہے جن کی طرف ہم ہمیشہ رہنمائی اور تعاون کی توقع کے ساتھ ہی دیکھتے رہے ہیں۔

رہی یہ بات کہ ڈاکٹر صاحب کا مقصد خدانخواستہ یہ نہ ہو کہ فقہ حنفی کے نفاذ کا نام نہ لیا جائے تو اگرچہ اس "خدانخواستہ" نے ع

اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

تاہم یہ وضاحت ہم پر واجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کی تنظیم کا مقصود اسلام ہے۔ خالص اسلام اور اسلاف سے ہمارا رشتہ جوڑنے والا اسلام۔ یہ کسی بھی راستے آئے، ہمیں منظور ہے اور حنفی فقہ کے ذریعے آئے تو اہلاً و سہلاً۔ اخبارات کی فائلیں گواہ ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے بہت پہلے یہ کہا تھا کہ ملک خداداد پاکستان کے مخصوص حالات کے پیش نظر صحیح تر طرز عمل یہ ہو گا کہ فقہ حنفی کو "پبلک لاء" کا درجہ دیا جائے اور دوسرے مسالک کو "پرسنل لاء" سے زیادہ حیثیت حاصل نہ ہو اور یہ بھی کہ ہمارے

مسلمان بھائی اپنے شناختی کارڈ پر چنیدہ فقہی مسلک کا اندراج کرائیں تاکہ پرسنل لاء کے مختلف معاملات میں انہیں من پسند فیصلے لینے کی ناروا سہولت میسر نہ رہے۔ اخبارات ہی کی فائلیں اس ستم ظریفی کی بھی گواہ ہیں کہ اس رائے پر اہل تشیع اور اہل حدیث حضرات نے تو واویلا کیا لیکن حنفی حلقوں سے حمایت میں کوئی آواز نہ اٹھی۔ اور نفاذ شریعت کے مطالبے کے ردعمل میں آج برسرزمین صورت واقعہ یہ ہے کہ ہر فقہ والا چوکس و ہوشیار بیٹھا ہے۔ اس بات کو تو شاید گوارا کر لے کہ یہاں سیکولر راج آجائے لیکن یہ منظور نہیں کہ اس کے اپنے مسلک کو ذرا بھی نظرانداز کیا جائے۔ اس کیفیت میں نفاذ شریعت کی مصلحت کے تحت تھوڑی سی رواداری دکھانے پر خود فقہ حنفی والوں کی طرف سے ڈاکٹر صاحب گردن زدنی قرار دیئے جائیں تو "لووہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے" کا سا نقشہ جمتا ہے۔ مولانا سے ہم بصد ادب عرض کریں گے کہ فقہ حنفی کے عظیم ذخیرہ علم و تحقیق پر انہیں اعتماد ہے اور بجا طور پر ہے تو یہ انہیں یہ اطمینان بھی ہونا چاہئے کہ اپنے تسلسل و تواتر اور اہل وطن کی بڑی اکثریت کے اتباع کے باعث فقہ حنفی ہی یہاں شریعت حقہ قرار دی جائے گی۔

اس ضمن میں معاملے کا ایک اور پہلو البتہ دامن کش ہوش و دانش ہے۔ ایک چھوٹے مونہہ کی اس بڑی بات پر مولانا حامد میاں مدظلہ جیسے بزرگ اور زیرک علمائے دین کو ضرور غور فرمانا چاہئے۔ ایسا کیوں ہے کہ ہمارے بعض قابل احترام بزرگان دین اپنی سوچ میں تو اتنے حساس ہیں کہ دین و شریعت کا کوئی تصور ایک مخصوص فقہ کے مکمل نفوذ نے بغیر ان کے لئے قابل قبول نہیں لیکن عمل میں رواداری کا یہ عالم ہے کہ سیاسی سفر ان لوگوں کی رفاقت میں طے ہو رہا ہے جنہیں فقہ تو کیا' دین و مذہب سے ہی کوئی علاقہ و سروکار نہیں۔ خود مولانا کی جمعیت ایم آر ڈی میں کیا ان لوگوں کی ہمنوا بلکہ سرخیل نہیں جن کی قابل لحاظ تعداد نے عملی زندگی میں "قشقہ کھینچا' دیر میں بیٹھا' کب کا ترک اسلام کیا" سے معنون طرز اختیار کر رکھا ہے۔ ملک کے سیاسی استحکام اور داخلی امن و سلامتی کے لئے ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی کے مطالبے کے ہم بھی ہمنوا ہیں لیکن سب جانتے ہیں کہ وہ دستور قانون سازی کے باب میں فقہ حنفی کے نفاذ کی ضمانت تو نہیں دیتا' صرف قرآن و سنت کو معیار قرار دیتا ہے..... پھر کیا مولانا آسانی کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت انتخابات کے ذریعے بھان متی کا جو کنبہ مقننہ میں جوڑا جائے گا وہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور مولانا مفتی محمودؒ کے مرتب کردہ رجسٹروں پر مہر تصدیق ثبت کرنے پر برضاو رغبت آمادہ ہو جائے گا؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"میثاق" میں پچھلے ماہ مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں ڈاکٹر شیر بہادر پنی صاحب کے تاثرات پر مشتمل گرامی نامہ عرض احوال میں ہی شامل ہوا تھا۔ اس پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مندرجہ ذیل سطور سپرد قلم کیں جو اس کتاب کا بھی تتمہ بنائی جا رہی ہیں جس کا مقدمہ ہمارے جریدے میں شائع ہو کر اس قیل و قال کا باعث ہوا۔ "اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش" کے تحت "مولانا آزاد کے بارے میں افراط و تفریط" کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔

"کتاب کی کاپیاں پریس میں جا ہی رہی تھیں کہ اس کا جو مقدمہ "میثاق" میں شائع ہو گیا تھا اس کے بارے میں محترم و مکرم ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی کا مکتوب موصول ہوا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے عاشق صادق اور انتہائی عقیدت مند ہیں۔

انہوں نے جہاں مولانا آزاد کی زندگی کے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک کے دور کے ضمن میں راقم کے موقف کی صدفی صد تائید کی ہے۔ وہاں ان کی بعد کی زندگی کے بارے میں ان ہی خیالات کا اظہار فرمایا ہے جو مولانا آزاد کے دوسرے مفرط عقیدت مند مثلاً ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کرتے ہیں۔

اتفاق سے چند ہی ماہ پیشتر روزنامہ نوائے وقت لاہور نے اپنے ادارتی کالموں میں راقم پر مولانا آزاد سے "اظہار محبت" اور "اظہار عقیدت" پر شدید تنقید کی تھی۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے اس کتاب کے "حرف آخر" کے طور پر یہ دونوں تحریریں شائع کی جا رہی ہیں۔ تاکہ مولانا آزاد مرحوم کے بارے میں دو انتہائی متضاد نقطہ ہائے نظر کا فوری تقابل سامنے آجائے۔ اس لئے کہ یہ ایک نہایت عمدہ مثال ہے اس حقیقت کی کہ محبت اور عقیدت کی نگاہ کو خوبی ہی خوبی نظر آتی ہے جبکہ نفرت و عداوت کی آنکھ کے لئے کسی خوبی کا مشاہدہ ممکن نہیں ہوتا۔

دعا ہے کہ اب جبکہ مولانا مرحوم کے انتقال کو بھی تیس برس ہونے کو آئے مسلمانان پاکستان ان کے بارے میں نصف صدی قبل کے سیاسی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے متوازن اور عادلانہ رائے قائم کر سکیں!

اس ضمن میں مولانا مرحوم کے عقیدت مندوں سے صرف اتنی گذارش ہے کہ راقم نے یہ

کبھی نہیں کہا کہ ۱۹۲۰ء کے بعد مولانا کا قرآن حکیم سے شغف ختم ہو گیا تھا۔ یا یہ کہ ان کا سیاسی موقف کسی بد دیانتی پر مبنی تھا..... راقم کا موقف صرف یہ ہے کہ مولانا نے ۱۳-۱۹۱۲ء میں "حزب اللہ" کے عنوان سے جس ہمہ گیر اسلامی تحریک کا آغاز کیا تھا ۱۹۲۰ء کے بعد وہ اس سے دستکش ہو گئے۔ رہے باقی امور تو وہ راقم کا موضوع ہیں ہی نہیں!

ڈاکٹر نبی صاحب کے خط کا ایک نہایت مفید پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے ارض لاہور میں دعوت قرآنی کے ایک اہم لیکن بھولے بسرے سلسلے کا ذکر ضبط تحریر..... اور اس کتاب کے ذریعے زیر اشاعت آ گیا۔ ارض لاہور میں راقم کی دعوت قرآنی کا مرکز اگر پہلے دس سالوں کے دوران مسجد خضراء سمن آباد میں رہا جس کا سنگ بنیاد مولانا احمد علی لاہوریؒ نے رکھا تھا تو اس کے بعد سے اب پورے دس سال ہو گئے ہیں کہ اس کا خطاب جمعہ مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں ہو رہا ہے جہاں مولانا عبدالقادر قصوریؒ کے جلیل القدر صاحبزادگان درس قرآن دیتے رہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قارئین کے لئے یہ اطلاع یقیناً باعثِ رنج ہوگی کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب آجکل شدید علالت کے باعث صاحب فراش ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب ۲۳ اگست کو تین روز کے لئے کراچی تشریف لے گئے تھے جہاں انہیں شام الہدیٰ کے اجتماع سے خطاب کرنا تھا۔ لیکن وہاں اچانک اُن کی کمر اور داہنی ٹانگ میں شدید درد اٹھا۔ درد اس درجے شدید تھا کہ اُس نے چلنے پھرنے، اُٹھنے حتیٰ کہ بیٹھنے تک سے معذور کر دیا۔ چنانچہ کراچی کے کئی طے شدہ پروگرام منسوخ کرنے پڑے۔ جمعہ ۲۸ اگست کو محترم ڈاکٹر صاحب کو خصوصی انتظامات کے ذریعے کراچی سے لاہور منتقل کر دیا گیا ہے۔ مرض کی شدت کا وہی عالم ہے۔ ایکس رے رپورٹ سے معلوم ہوا کہ ریڑھ کی ہڈی کا ایک مہرہ تشویشناک حد تک اپنی جگہ سے سرک گیا ہے۔ ڈاکٹر قاضی عبدالرزاق (آرتھوپیڈسٹ) پوری تندہی کے ساتھ اور ذاتی دلچسپی کے کر امیر تنظیم کا علاج کر رہے ہیں۔ قارئین سے دُعا کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

- یہود نے عہدِ صدیقی رضؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا، آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا۔
- وہ آج بھی قاتل خلیفہ ثانی ابولؤلؤ فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں
- علی مرتضیٰ رضؓ کی طرح حضرت حسین رضؓ بھی قاتلینِ عثمان رضؓ کی سازش کا شکار ہوئے۔
- سید الشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون؟

تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لیے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں کا مطالعہ کیجیے:

① **سانحہ کربلا**: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت و عظمت کی صحیح تصویر پر

② **شہیدِ مظلوم**: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب اور آپکی مظلومانہ شہادت کے بیان پر جامع تالیف

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت صرف ۹/- روپے (سستا ایڈیشن -/۴)
قریبی بکسٹال سے طلب کیجیے یا ہم سے منگوائیے

(Saeed)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون نمبر: ۸۵۲۶۸۳

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ ڈاکٹر اسرار احمد کے دروسِ قرآن کا سلسلہ

درس نمبر ۱۱

الهدیٰ

نشست نمبر ۳۵

مباحثِ عمل صالح

تربیّت اولاد اور والدین کی ذمّہ داریاں

(سُورۃ التحریم کی روشنی میں)

(۳)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' بچاؤ اپنے آپ کو' اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے' جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔ (اس وقت کہا جائے گا کہ) اے کافرو' آج معذرتیں پیش نہ کرو' تمہیں تو ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جو عمل تم نے کیے ہیں۔"

محترم سامعین اور معزز ناظرین

سورہ تحریم کی چھٹی اور ساتویں آیت کی تلاوت اور ترجمہ ابھی آپ نے سنا..... ان میں سے پہلی آیت میں ایک مسلمان خاندان کے سربراہ کی ذمہ داری مثبت انداز میں امر کے صیغے میں بیان کی جا رہی

ہے۔ یہ مضمون دو مواقع پر پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ سورہ تغابن میں وہاں اہل ایمان کو خبردار کیا گیا تھا "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ" "اے اہل ایمان! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولادوں میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں' ان سے ہوشیار رہو"..... اگرچہ ہماری اجتماعی زندگی کا جو نقشہ ہے اس کی بنیاد میں مال و اولاد کی طبعی محبت ہی کارفرما ہے۔ یہ محبت اپنی جگہ صحیح ہے' درست ہے لیکن بسا اوقات یہ طبعی و فطری محبت حدِ اعتدال سے تجاوز کر کے اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ انسان اپنے اہل و عیال کی محبت کی وجہ سے اللہ کے حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر بیٹھتا ہے۔ بیویوں کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے' اولاد کو اچھے سے اچھا کھلانے اور پلانے کے لئے' ان کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے انسان حرام میں منہ مارنے لگتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ محبت نتیجہ کے اعتبار سے اس کے لئے محبت نہیں رہی بلکہ عداوت بن گئی اور اس کی عاقبت کی بربادی اور تباہی کا سبب بن گئی..... اس آیت میں اسی حقیقت کی نشان دہی کی گئی ہے۔ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں اسی فطری محبت کا ذکر ایک مثبت انداز سے ہوا ہے۔ ایک بندۂ مومن کے دل میں یہ فطری تمنا ہوتی ہے کہ اس کے اہل و عیال بھی ایمان' اسلام' تقویٰ اور احسان کی روش اختیار کریں۔ یہ تمنا اور آرزو اس قرآنی دعا کی صورت میں ہمارے سامنے آئی ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ○

"جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب' ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔" (سورۂ فرقان آیت۔ ۷۴)

اب یہی مضمون اس آیت میں اپنی منطقی انتہا کو پہنچ رہا ہے یعنی ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف اتنی نہیں ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے نان نفقہ کا اہتمام کرے' انہیں کھلائے پلائے' ان کے رہن سہن کی ضرورتیں پوری کرے۔ یہ تو جبلی طور پر ہر انسان کرتا ہے ایک خاندان کے سربراہ کے مومن ہونے کا نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ وہ محسوس کرے کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے جن کو بطورِ امانت اس کے حوالے کیا ہے ان کے صحیح حقوق کی ادائیگی کی فکر کرے..... اس امانت کا حق اس طرح ادا ہو گا کہ ان کی بہتر سے بہتر دینی تربیت کی کوشش کرے تاکہ وہ صحیح رخ پر پروان چڑھیں۔ مومن و مسلم اور متقی و محسن ہو کر اٹھیں اس ذمہ داری کا احساس اگر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ایک مسلمان خاندان کا سربراہ اپنی ذمہ داری

کو بحیثیت ایک مسلمان ادا نہیں کر رہا۔

اس طرف متوجہ کرنے کے لئے قرآن مجید کا انداز بڑا فطری ہے۔ تنبیہ کا آغاز یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ "اے اہل ایمان بچاؤ اپنے آپ کو"..... سے کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں قیامت کا یہی نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس روز ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی اس وقت ہر شخص بھول جائے گا کہ کون میرا بیٹا ہے اور کون میری بیوی ہے اور کون میرا باپ ہے! سورہ عبس میں آتا ہے فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ○ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ○ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ○ وَ صَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ○ "آخر کار جب وہ کان بہرے کر دینے والی آواز بلند ہوگی..... اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔"

اور سورہ معارج میں فرمایا گیا کہ

وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ○ یُّبَصَّرُوْنَهُمْ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ ○ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ ○ وَ فَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُئْوِیْهِ ○ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ ○

"اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنی اولاد کو' اپنی بیوی کو' اپنے بھائی کو اور اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا' اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دے دے اور یہ تدبیر اسے نجات دلا دے۔" سورہ معارج (آیات ۱۰۔۱۴)

اسی لئے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ بچاؤ اپنے آپ کو اور اس کے بعد اپنے قریب ترین افراد یعنی اہل خانہ' جن سے انسان کو بہت محبت ہوتی ہے' کو اس آگ سے بچانے کی ہدایت کی جا رہی جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

اس سورہ مبارکہ کا جو خاص اسلوب ہے' اس سے اس آیت کا جو ربط و تعلق ہے اسے اس مقام پر نوٹ کر لیجئے۔ ہر سورہ مبارکہ کا ایک عمود یعنی ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جس کے ساتھ سورت کی ہر آیت منسلک اور مربوط ہوتی ہے..... یہاں بھی دیکھئے کہ اولاد کی تربیت میں بسا اوقات لاڈ پیار حائل ہو جاتا ہے اور اولاد کے بگاڑ کا سبب بن جاتا ہے۔ آپ بچے کی صبح کی میٹھی اور ٹھنڈی نیند میں خلل ڈالنا نہیں

چاہتے اس لئے اسے فجر کی نماز وقت پر ادا کرنے کا عادی نہیں بنا رہے۔ آپ کا دل چاہتا ہے کہ وہ سوتا رہے۔ اب اگر آپ کی اس بے جا شفقت و محبت کے نتیجے میں وہ بچہ بعد میں نماز کا پابند نہ ہو سکا تو آپ خود سوچئے کہ آپ نے اس کے حق میں کتنے کانٹے بو دیئے ہیں۔ اس کی تربیت اس طرح کس تباہی کے رخ پر ہو رہی ہے اور اس کی زندگی عاقبت کے اعتبار سے کس خسارے کی راہ پر گامزن ہو رہی ہے۔ اسی طرح اگر اپنی بیویوں کے ساتھ لاڈ پیار اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ اللہ کے احکام میں خلل پیدا ہو رہا ہے' حدود اللہ ٹوٹ رہی ہیں' اللہ کا تقویٰ نگاہوں سے اوجھل ہو رہا ہے اس سے دل غافل ہو رہا ہے تو اچھی طرح یہ بات جان لیجئے کہ آپ کی طرف سے آپ کی یہ محبت نہ آپ کے حق میں نافع ہے نہ ان کے حق میں بلکہ یہ دونوں کے لئے عداوت ہے۔

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت جامع قاعدہ کلیہ ارشاد فرمادیا ہے۔ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته تم میں سے ہر شخص کی حیثیت ایک چرواہے کی ہے..... جس طرح ایک چرواہا اور گلہ بان ان مویشیوں کی حفاظت کا ذمہ دار اور مسئول ہوتا ہے جو اس کے چارج میں دیئے گئے ہیں اور اس میں سے اگر کوئی جانور گم ہو گیا یا حادثہ کا شکار ہو گیا تو اس چرواہے کا محاسبہ ہو گا کہ اس جانور کی گم شدگی میں اس کی غفلت کا کتنا حصہ اور دخل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر انسان کے حوالے اپنی مخلوق میں سے کچھ افراد کر دیئے ہیں۔ اگر کوئی کسی دفتر میں افسر ہے تو جو اس کے ماتحت ہیں' گویا وہ ایک گلہ ہے جس کا نگہبان وہ ہے۔ اس کو اپنی حیثیت کے تناسب سے اپنے ماتحتوں کے دین و ایمان ان کی سیرت و کردار کے بارے میں فکر مند رہنا چاہئے کہ یہ چیزیں صحیح رخ پر ہیں چونکہ وہ ذمہ دار ہے' مسئول ہے..... اور جو خاندان کا سربراہ ہے اس پر تو یہ صد فیصد راست آتا ہے کہ وہ بیوی اور بچوں کے لئے ذمہ دار اور مسئول ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اپنے گھرانے کی قریب ترین خواتین کو لے کر بیٹھتے تھے اور ایک ایک کا نام لے کر آپؐ نصیحت فرماتے تھے۔ مثلاً اپنی لخت جگر نور عین حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔

"اے فاطمہ! محمدؐ کی لخت جگر' محمد کی نور چشم! اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو۔ اس لئے کہ اللہ کے یہاں تمہارے بارے میں مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔"

حضرت صفیہؓ سے فرمایا۔

"اے صفیہؓ! اللہ کے رسول کی پھوپھی، اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو اس لئے کہ اللہ کے یہاں تمہارے بارے میں مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے"

تو یہ ہے حضورؐ کا انداز متوجہ کرنے کا، انذار اور خبردار کرنے کا، ترغیب کا، ترہیب کا۔ یہ ہے مثبت رول ہر مسلمان گھرانے کے سربراہ کا جسے اسے اپنے اہل وعیال کے ضمن میں ادا کرنے کے لئے فکرمند رہنا چاہئے۔

اب دیکھئے کہ بڑا لطیف اور بلیغ انداز اختیار فرمایا کہ اس آگ سے بچانے کی فکر کرو کہ جس کی شدت کا ایک عالم تو یہ ہے کہ اس کا ایندھن ہوں گے انسان اور پتھر۔ پتھروں کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ انسان جب جہنم میں جھونکے جائیں گے تو گویا وہ اس کا ایندھن ہوں گے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ پتھروں کے ذکر میں کیا حکمت ہے! غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذکر اس اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس آگ کی شدت و حرارت کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ایک آگ وہ ہے جو لکڑیوں سے جلائی جاتی ہے اور ایک آگ وہ ہے جو پتھروں سے جلے گی..... پتھر کے کوئلوں سے کسی زمانہ میں جو آگ جلا کرتی تھی، اس کی حرارت کا ذرا تصور کیجئے اور اس سے بھی آگے جایئے کہ اصل پتھر جس آگ کا ایندھن بن رہے ہوں، اس کی تندی اور تیزی اور شدت کا کیا عالم ہو گا!..... اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ بت عموماً پتھروں سے تراشے جاتے ہیں اور انہیں معبود سمجھا جاتا ہے۔ ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ ان کے آگے ماتھا ٹیکا جاتا ہے۔ ان سے حاجت روائی کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں اس لئے مشرکوں کے ساتھ پتھروں کے یہ بت بھی جھونک دیئے جائیں گے۔ تاکہ ان کی حسرت میں مزید اضافہ ہو کہ جنہیں ہم معبود سمجھے بیٹھے تھے وہ بھی ہمارے ساتھ اس آگ میں جل رہے ہیں۔

آگے فرمایا..... "اس جہنم پر وہ فرشتے مامور ہیں جو بڑے سخت دل ہیں تند خو ہیں"..... غور کیجئے کہ یہ الفاظ کیوں آئے! بہت ہی لطیف انداز ہے کہ آج تم بڑی محبت، شفقت اور لاڈ پیار کی وجہ سے اپنی اولاد کو بگاڑ رہے ہو لیکن نتیجہ کے طور پر وہ کن کے حوالے ہوں گے! ان کے حوالہ ہوں گے جو جہنم کے کارندے اور داروغے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں کوئی نرمی اور محبت نہیں ہے۔ تمہاری یہ چہیتی اولاد کتنی ہی فریاد کرے ان فرشتوں کے دل پسیجیں گے نہیں۔ ان کے دل میں رحم اور رأفت کا جذبہ رکھا ہی نہیں گیا۔ وہ بڑے سخت دل اور تند خو ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ "وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جو ان کو ملے۔ اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے۔"

ان آیات سے فرشتوں پر ایمان کے بارے میں بھی رہنمائی ملتی ہے آپ جانتے ہیں کہ فرشتوں پر ایمان ہمارے ایمانیات کا لازمی حصہ ہے۔ دنیا میں دیویوں اور دیوتاؤں کے تصوّرات درحقیقت "فرشتوں پر ایمان" کی بگڑی ہوئی شکل میں ہے۔ اس میں غلطی یہ ہوئی کہ فرشتوں کو با اختیار سمجھ لیا گیا۔ قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ اگرچہ ملائکہ ایک نوری مخلوق ہیں اور ان کا رتبہ بہت بلند ہے لیکن وہ با اختیار مخلوق نہیں۔ اسی بات کو یہاں ان الفاظ مبارکہ سے واضح کیا گیا کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَ ھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْ مَرُوْنَ○ جب یہ حقیقت سامنے ہوگی تو اب ان کو پکارنا بیکار، ان سے دعا کرنا لاحاصل، ان کو پوجنا بے فائدہ..... لہٰذا اللہ کو پکارو اللہ سے دعا کرو، اللہ سے مدد مانگو۔ اللہ تعالیٰ جن کے ذریعہ سے چاہے آپ کی ضرورت پوری کر دے۔ کسی انسان کے دل میں ڈال دے، کسی فرشتہ کو مامور کر دے، یہ اس کا اختیار مطلق ہے۔ فرشتے اس اعتبار سے ایک مجبور اور ناچار مخلوق ہیں کہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ اس کی بڑی پیاری وضاحت سورہ مریم میں آئی ہے۔ متعلقہ آیت کے بین السطور معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے شکوہ کیا کہ اے جبریل! آپ وقفہ وقفہ سے آتے ہیں ہمیں انتظار رہتا ہے۔ حضورؐ کو قرآن مجید کا اشتیاق رہتا تھا اور آپؐ کی خواہش تھی کہ وحی جلدی جلدی آئے۔ اس شکوہ کا حضرت جبریلؑ سے اللہ تعالیٰ نے جواب دلوایا کہ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ لَہٗ مَابَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا○ یعنی نزولِ وحی میں وقفہ کسی بھول کے باعث نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی حکمتِ بالغہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اگلی آیت میں نقشہ کھینچا گیا کہ جب لاڈ پیار سے بگڑے ہوئے یہ لاڈلے اور پیارے جہنم میں جھونکے جائیں گے اس وقت وہ معذرتیں کریں گے، دہائیاں دیں گے، چیخ و پکار کریں گے تو ان کو جواب دیا جائے گا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوا لَاتَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ "اے ناشکرو! آج بہانے مت بناؤ معذرتیں نہ تراشو"۔ اب اس کا کچھ حاصل نہیں۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ تمہیں بدلے میں وہی کچھ دیا جارہا ہے جو تم کرتے تھے، یہ تمہارے اپنے اعمال ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ دنیا میں ان میں لذت تھی، سرور تھا۔ وہاں تمہاری بداعمالیاں 'SUGAR COATED PILLS' کی حیثیت رکھتی تھیں۔ جس کے باعث ان کی تلخی تم پر نمایاں نہیں ہوئی تھی اور جس انجام سے تمہیں دوچار ہونا تھا وہ تم پر واضح نہیں ہوتا تھا۔ تم نے اپنی خواہشاتِ

نفس کی اپنے افعال پر COATING کر رکھی تھی' اب وہ اتر گئی ہے لہٰذا اس کی حقیقی و واقعی تلخی کا مزا ہے جو تم یہاں چکھ رہے ہو۔ یہ تمہارے وہی اعمال ہیں جو آج تمہارے سامنے آ گئے ہیں۔ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی اور تمہارے اپنے کرتوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس انجام بد سے ہم سب کو بچائے۔ آمین

اب آج جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کے ضمن میں کوئی سوال یا اشکال ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال..... ڈاکٹر صاحب! نیک اور صالح اولاد قیامت کے روز کس حد تک اپنے والدین کی شفاعت کر سکے گی۔ ؟

جواب..... یقیناً نیک اور صالح اولاد اس دنیا کی زندگی کے دوران بھی اپنے والدین کے حق میں بہترین صدقہ جاریہ ہے کہ ان کے اعمال کا جو اجر و ثواب ہے اس میں سے ان کے والدین کو بھی حصہ ملتا رہے گا اور آخرت میں بھی یقیناً وہ اپنے والدین کے حق میں شفاعت کر سکیں گے۔ شفاعت کے باب میں دو چیزیں ہیں۔ جو قرآن مجید بار بار کہتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جس کو اجازت ملے گی وہ شفاعت کر سکے گا' از خود اپنے اختیار سے نہیں۔ دوسرے یہ کہ جس کے حق میں اجازت ملے گی اسی کے حق میں شفاعت کر سکے گا۔ یہ دونوں شرطیں اپنے ذہن میں رکھئے ان دونوں شرطوں کے ساتھ شفاعت ہو گی۔ اب رہا یہ سوال کہ اس شفاعت سے کسی کو کس حد تک فائدہ پہنچے گا تو یہ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ مزید برآں نیک اور صالح اولاد کی اپنے والدین کے حق میں شفاعت کے متعلق یہ اصولی بات بھی پیش نظر رہے کہ اسی صالح اولاد کو شفاعت کا حق حاصل ہو سکے گا جس کی صحیح تعلیم و تربیت میں والدین کا حصہ بھی شامل ہو۔

سوال..... ڈاکٹر صاحب! بعض والدین خود گمراہ ہوتے ہیں جس کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے تو اولاد کیا سزا میں برابر کی شریک ہو گی؟

جواب..... اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک آزاد مرضی' آزاد شعور اور آزاد اختیار بھی دیا ہے جو ماحول اور وراثت کے جتنے اثرات ہیں ان سے بالاتر ہے اس لئے ہر فرد اپنی جگہ جواب دہ ہو گا لیکن غلط ماحول اور غلط تربیت کے اثرات کا اللہ تعالیٰ کی شان غفاری کے طفیل کچھ نہ کچھ الاؤنس ضرور ملے گا۔

سوال..... ڈاکٹر صاحب! اگر اولاد گمراہ ہے اور والدین کی تلقین و نصیحت کے باوجود دین کی پیروی نہیں کرتی تو کیا ماں باپ کو بھی اس کی سزا ملے گی؟

جواب..... بہت عمدہ سوال ہے۔ دیکھئے اگر والدین نے اولاد کی صحیح تربیت کی اپنی امکانی حد تک سعی کی ہے لیکن اس کے باوجود اولاد غلط رخ پر چلی گئی۔ تو اس صورت میں والدین بری الذمہ ہوں گے۔ اور چونکہ کسی انسان کو ہدایت پر لانے کا اختیار کسی دوسرے انسان کو حاصل نہیں ہے اس لئے کوئی انسان بھی آخری درجہ میں کسی کے بارے میں ذمہ دار نہیں ہو گا۔ البتہ کسی اولاد کے بگڑنے میں اگر والدین کی کوتاہی کو بھی دخل ہے اور انہوں نے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو صحیح طور پر ادا نہیں کیا تو یقیناً والدین ذمہ دار ہیں اور ان کو اپنی اولاد کے غلط اعمال کی سزا کا کوئی حصہ بھگتنا پڑے گا۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ہر قسم کے بال بیرنگز کے مراکز

سندھ بیرنگ ایجنسی، ۹۵ منظور اسکوائر پلازہ کوارٹرز کراچی۔ فون ۷۲۳۳۵۸ / ۷۲۱۱۷۲

خالد ٹریڈرز۔ بالمقابل کے۔ ایم۔ سی ورکشاپ نشتر روڈ کراچی

فون: ۷۳۵۸۸۳ / ۷۳۲۹۵۲ / ۷۳۰۵۹۵

مثیلِ عیسیٰؑ حضرت علیؓ

خطاب جمعہ: ڈاکٹر اسرار احمد ○ ترتیب و تسوید: شیخ جمیل الرحمٰن

(گذشتہ سے پیوستہ)

سیرت و کردار

زہد و قناعت

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ حضرت علی مرتضیٰ کی ذات پر وہ زہد ختم ہو گیا جس کا پیکر کامل جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ بچپن سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضورؐ کا پرتو اور عکس آپؓ کی شخصیت میں پیدا ہونا لازمی تھا۔ لہٰذا آپؓ کی زندگی میں دنیوی عیش و آرام کا کیا سوال! حضرت فاطمہ الزہرہؓ کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم ہوا تو الگ مکان میں رہنے لگے اس گھریلو زندگی کی آسائشوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضورؐ نے آپؓ کی زرہ فروخت کر کے گھر گرہستی کے لئے جو سامان خرید کر دیا تھا عمر بھر اس میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے گٹے پڑ گئے تھے بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ کی لخت جگرؓ اور آپؓ نے مل کر حضورؐ سے ایک کنیز یا غلام دینے کی درخواست کی۔ سرور عالمؐ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں! پھر آپؐ نے تلقین فرمائی کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو اور جب رات کو سوؤ تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ بار تکبیر کہہ لیا کرو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت سے میں نے اس تسبیح کو کبھی ترک نہیں کیا کسی نے پوچھا صفین کی شب میں بھی نہیں! فرمایا کہ "ہاں صفین میں بھی نہیں"

معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر میں دھواں نہیں اٹھتا تھا بھوک کی شدت ستاتی تو پیٹ پر پتھر

باندھ لیتے مسند احمد ابن حنبلؒ میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ بھوک کی شدت میں گھر سے نکلے ایک ضعیفہ کنوئیں سے پانی بھر رہی تھی' اس کے متعلق خیال آیا کہ اپنا باغ سینچنا چاہتی ہے اس کے پاس جا کر اجرت طے کی پھر پانی کھینچتے اور باغ تک پہنچاتے رہے یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے اجرت میں مٹھی بھر کھجوریں ملیں۔ حضرت فاطمہؓ کو ساتھ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے حضورؐ نے تمام کیفیت سن کر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور کھانے میں ساتھ دیا۔ عہد فاروقی میں جب آپؓ کا وظیفہ مقرر ہوا تو آپ اپنی ضروریات کے بقدر رکھ کر باقی سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیتے تھے ایام خلافت میں بھی زہد میں کوئی فرق نہیں آیا موٹا چھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا آپؓ کے لئے دنیا کی بڑی نعمت تھی۔ مسند احمدؒ ہی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک مہمان شریک طعام تھے انہوں نے معمولی اور سادہ کھانا دیکھ کر کہا امیر المومنین بیت المال میں اللہ کے فضل سے مال و اسباب کی کافی بہتات ہے۔ آپؓ نے جواب میں فرمایا "خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف اتنا حق ہے کہ سادگی کے ساتھ خود کھائے اور اپنے اہل و عیال کو کھلائے بقیہ سارا مال خلق خدا کے لئے ہے۔" دور خلافت میں جب تک مدینہ میں قیام رہا آپؓ کی رہائش اپنے سابقہ مٹی اور گارے سے بنے ہوئے حجرے میں رہی۔ جب دار الخلافہ کوفہ منتقل کیا تو دار الامارت میں قیام کی بجائے ایک میدان میں سادہ خیمہ لگوا کر اس میں قیام کیا اور فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے مجھے بھی اس کی حاجت نہیں میرے لئے میدان میں خیمہ کافی ہے" پھر خیمہ پر نہ کوئی دربان تھا نہ کوئی حاجب۔ خلیفہ وقت ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتے تھے فیاضی اور داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ دور خلافت میں آپؓ عموماً بیت المال کا سارا مال تقسیم کر کے جھاڑو پھیر دیا کرتے اور پھر دو رکعت نماز شکرانے کے ادا فرماتے تاکہ وہ قیامت میں ان کے زہد قناعت' امانت و دیانت کی شاہد بن جائے۔ ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہؒ نے ابو عمر ابن عبد البرؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "میری تلوار کون خریدتا ہے! واللہ اگر میرے پاس تہمد کی قیمت ہوتی (جس کی مجھے اشد ضرورت ہے) تو اس کو فروخت نہ کرتا" ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا "امیر المومنین میں آپؓ کو تہمد کی قیمت بطور قرض دیتا ہوں"

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ سورۃ الدہر کی یہ آیت وَ يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ○ حضرت علیؓ کے زہد' انفاق و ایثار کی ستائش کے طور پر نازل

ہوئی ایک دفعہ آپؓ نے رات بھر ایک باغ کو سینچ کر مزدوری میں تھوڑے سے جو حاصل کئے۔ صبح ان کا ایک تہائی حصہ پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا ابھی تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا لگائی' آپؓ نے سب حریرہ اٹھا کر اسے دے دیا پھر بقیہ ثلث کے پکوانے کا انتظام کیا لیکن جیسے ہی تیار ہوا ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا آپؓ نے یہ اس کی نذر کر دیا۔ اب جو تیسرا حصہ بچا تھا وہ پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کے سوال پر اس کو دے دیا گیا اور یہ اللہ کا بندہ رات بھر کی مشقت سے کمائی ہوئی پونجی اللہ کی راہ میں دے کر خود بھی اور اسؓ کے اہل عیال بھی دن بھر فاقہ سے رہے۔ آپؓ کے پاس دنیوی دولت نہ تھی لیکن دل اتنا غنی تھا کہ کوئی سائل کبھی آپؓ کے در سے خالی ہاتھ نہیں گیا

سادگی اور تواضع

حضرت علیؓ کے تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سادگی اور تواضع آپؓ کی دستار فضیلت کا خوش نما طرہ تھا۔ آپؓ اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کو کبھی جوتے ٹانکتے کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے پاتے۔ مزاج میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ فرشِ خاک پر بے تکلف سو جاتے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کو ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ آپؓ زمین پر بے تکلفی سے سو رہے ہیں چادر جسم سے سرک گئی ہے اور جسم غبار آلود ہو گیا ہے سرور عالمؐ نے اپنے دست مبارک سے آپؓ کا بدن صاف کیا اور نہایت محبت بھرے لہجہ میں فرمایا " اِجلِسْ یَا اَبَا تُرَابِ " (اے مٹی والے اب اٹھ بیٹھو) حضور کی عطاء کردہ یہ کنیت آپؓ کو اتنی عزیز تھی کہ جب کوئی آپؓ کو " یا ابا تراب " کہہ کر مخاطب کرتا تو خوشی کے مارے چہرہ دمک اٹھتا اور ہونٹوں پر تبسم کی لہر آ جاتی۔ عہد خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی۔ معمولی کپڑوں میں بازار کا گشت کرتے۔ اگر کوئی شخص پیچھے پیچھے چلتا تو آپؓ کو دیکھ کر کھڑا ہو جاتا تو منع فرماتے کہ اس میں والی کے لئے فتنہ اور مومن کے لئے ذلت ہے۔

احساسِ بندگی اور تقویٰ

حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ عبادت و ریاضت اور آزمائش و امتحان میں ہمارے شیخ والشیوخ علی مرتضیٰ ہیں شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ کو حضورؐ کی صحبت میں رہنے کا

طویل ترین موقع ملا تھا اس لئے خلافت سے پہلے ریاضت اور نفلی عبادات سے بڑا انہماک تھا آپؓ کی نماز میں خشوع و خضوع کی یہ حالت ہوتی تھی کہ دوران نماز بید کی طرح لرزتے تھے سیرت کی مستند کتابوں میں یہ عجیب واقعہ ملتا ہے کہ ایک جنگ میں آپؓ کے جسم میں ایک تیر پیوست ہو گیا آپؓ کا جسم مبارک پتھر کی طرح ٹھوس تھا۔ لوگوں نے تیر کھینچنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں نکل سکا۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں نفل نماز شروع کرتا ہوں اس حالت میں نکالنے کی کوشش کرو روایت میں آتا ہے کہ نماز میں آپ کا جسم اتنا نرم پڑ گیا کہ تیر آسانی سے نکل آیا اور آپؓ کو تکلیف کا احساس تک نہ ہوا۔

علم و فضل اور حکمت

آپؓ کے متعلق جامع ترمذی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ملتا ہے کہ "اَنَا مدینۃُ العلمِ و عَلیٌ بَابُہَا" اگرچہ امام ترمذیؒ اور چند دیگر محدثین نے اس کی اسناد کو ضعیف بتایا ہے لیکن موضوع کسی نے قرار نہیں دیا۔ اسلام کے علوم و معارف کا سرچشمہ قرآن مجید ہے آپؓ نے اس سرچشمہ سے پوری طرح سیرابی حاصل کی۔ آپؓ نہ صرف حافظ و قاریٔ قرآن تھے۔ بلکہ علوم قرآنی سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔ بالخصوص آیات کے شان نزول کے علم میں آپ گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ آپؓ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہوتا ہے۔ صحابہؓ میں اس کمال میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے سوا اور کوئی شریک نہیں۔ قرآن مجید کے مسائل کے استنباط اور اجتہاد میں آپؓ کو ید طولیٰ حاصل تھا خوارج نے جب تحکیم کے مسئلہ میں فتنہ اٹھایا جس کا ذکر کر چکا ہوں تو آپ نے بہت سے قرآن کے حفاظ اور علماء کو جمع کر کے خوارج کے چند سربر آوردہ افراد کی موجودگی میں ان سے دریافت فرمایا کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف ہو تو اللہ نے حکم بنانے کی اجازت دی ہے کہ نہیں لہٰذا جب امت کے دو گروہوں میں اختلاف ہو جائے تو حکم بنانا جائز ہو گا یا نہیں! حفاظ و علماء نے آپؓ کی تائید کی۔ لیکن خوارج اپنے موقف پر اڑے رہے۔ خوارج اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ سے تحکیم کے خلاف جو استدلال کرتے تھے اس کے متعلق آپؓ فرماتے کہ کلمہ حق ہے یعنی اگرچہ بات اپنی جگہ درست ہے لیکن خوارج کا استدلال و استنباط باطل و ضلالت ہے۔

حضرت علیؓ نے بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کی تعلیم حاصل کر لی تھی چنانچہ مشہور ہے کہ آپ نے قرآن مجید کو نزولی ترتیب سے بھی مرتب کیا تھا۔ واللہ اعلم۔ بعض دوسرے اصحابہؓ کی طرح آپؓ کا نام

بھی کاتبان وحی میں شامل ہے۔ مزید یہ کہ حضورؐ کے جو مکاتب و فرامین لکھے جاتے تھے ان میں بعض آپؓ کے دست مبارک سے بھی لکھے ہوئے ہوتے تھے حدیبیہ کا صلح نامہ آپؓ ہی نے تحریر کیا تھا۔

ایک غلط بات کی تردید

آپؓ کے متعلق آپؓ کے دور خلافت ہی میں کچھ لوگوں کا خیال تھا اور ایک گروہ نے تو اسے اپنے عقائد کا مستقل جزو بنا رکھا ہے کہ حضورؐ نے آپؓ کو ظاہری علوم کے علاوہ چند باطنی علوم کی تعلیم بھی دی تھی۔ یہ علوم سینہ بہ سینہ حضرت حسنؓ سے لے کر حضرت حسن عسکریؒ تک پہنچے۔ اب یہ علوم امام مہدی کے پاس ہیں جو اس گروہ کے عقیدے کے مطابق زندہ ہیں مگر کسی غار میں پوشیدہ ہیں قیامت کے قریب وہ اپنے پوشیدہ مسکن سے نکلیں گے اور ان علوم باطنیہ سے لوگوں کو آگاہ کریں گے۔ حالانکہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ "حضرت علیؓ کے شاگردوں نے آپؓ سے پوچھا کہ قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت سے اگاتا ہے جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے میرے پاس قرآن کے سوا کچھ اور نہیں۔ لیکن قرآن سمجھنے کی قوت (فہم) کی دولت خدا جس کو چاہے دے (اس کے علاوہ چند حدیثیں بھی میرے پاس ہیں جو میں بیان کرتا رہتا ہوں) چنانچہ اس غلط بات کی تردید خود حضرت علیؓ سے ثابت ہے۔

عدل وانصاف اور تفقّہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے متعدد صحابہ کرامؓ کے خصوصی مناقب بیان ہوئے ہیں آپ حضرات نے جمعہ کے خطبہ ثانی میں سنا ہو گا ہمارے خطیب خلفائے راشدینؓ کے متعلق حضورؐ کے فرمائے ہوئے ان مناقب کو بیان کرتے ہیں کہ اَرْحَمُ اُمَّتِی بِاُمَّتِی اَبُوْبَکر میری امت میں میری امت کے حق میں سب سے زیادہ رحیم و شفیق ابو بکر ہیں۔ وَاَشَدُّ هُمْ فِی اَمرِ اللّٰهِ عُمَر "امت میں اللہ کے احکام کے بارے میں سب سے زیادہ سخت' سب سے زیادہ شدید عمر ہیں۔" وَاَکْثَرُهُمْ حَیَاءً عُثْمَانَ امت میں سب سے حیا دار عثمان ہیں" وَ اَقْضَاهُمْ عَلِیّ "اور امت میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں" رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین چنانچہ حضورؐ مدینہ میں بعض اوقات قضا کی خدمت حضرت علیؓ کے سپرد فرماتے تھے۔

یمن میں عہدۂ قضا

چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدہ قضا کے لئے آپؓ کو مقرر فرمایا۔ حضرت علیؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں۔ لیکن رسولؐ کی نگاہ جوہر شناس آپؓ کی خفیہ صلاحیتوں کو جانتی تھی لہٰذا حضورؐ نے ان کو تسلی دی کہ "اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ثبات واستقلال بخشے گا، تمہاری زبان کو حق بات کہنے کی سعادت عطا فرمائے گا اور صحیح فیصلے کرنے میں تمہاری نصرت فرمائے گا۔" اس تسلی کے علاوہ حضورؐ نے آپؓ کو قضا و فصل و مقدمات کے لئے ہدایات بھی دیں۔ مثلاً حضورؐ نے فرمایا۔ علیؓ جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو اپنے فیصلہ کو اس وقت تک روکے رکھو جب تک دونوں فریقوں کے بیان کو اور ضروری شہادتوں کو نہ سن لو۔ اور حقیقت معلوم کرنے کے لئے ان سے خوب جرح نہ کر لو۔ ' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کی تسلی اور تعلیمات کے بعد پھر مجھے مقدمات کے فیصلوں میں کبھی تذبذب نہیں ہوا۔ یمن کے قیام کے دوران آپؓ نے بعض عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ اپنی فراست سے فرمایا۔ ان فیصلوں میں سے بعض کو حجتہ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور اپیل پیش کیا گیا۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کے فیصلے کو سن کر تبسم فرمایا اور ان کو برقرار رکھا۔ حضرت علیؓ کے فیصلے چونکہ قانون شریعت میں نظائر کی حیثیت رکھتے تھے ' اس لئے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون بھی کر لیا تھا۔ لیکن سبائیوں نے ان میں بھی تحریف کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اس کے ایک حصہ کو اسی دور میں جعلی قرار دے دیا تھا البتہ آن جنابؓ کے بعض صحیح فیصلوں سے امام ابو حنیفہؒ نے اپنے فقہ میں استنباط کیا ہے۔

تمام اصحابہ کرامؓ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو مقدمات ' مناقشات ' تنازعات اور خصومات کے فیصلوں اور قضاء کی خصوصی صلاحیت عطا فرمائی ہے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے " ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لئے سب سے زیادہ موزوں علیؓ ہیں اور قرآن کے سب سے بڑے قاری ابی ابن ابی کعبؓ ہیں اسی طرح فقیہہ الامت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ تمام صحابہ کہا کرتے تھے مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے حضرت علیؓ ہیں۔ بڑے بڑے صحابہؓ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی بعض اوقات حضرت علیؓ کی طرف

رجوع کرنا پڑتا تھا۔ مسند احمدؒ کی روایت ہے کہ دور فاروقی میں ایک مجنون زانیہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کی گئی۔ آپؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ ممکن نہیں چونکہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں حضرت عمرؓ نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اسی مسند ابن حنبلؒ میں ہے کہ کسی نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ وضو کے بعد کتنے دن تک موزوں پر مسح کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ علیؓ سے معلوم کرو۔ کیونکہ وہ سفر میں حضورؐ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مسافر تین دن رات اور مقیم ایک دن ایک رات تک مسح کر سکتا ہے۔

جس زمانہ میں آپؓ کا حضرت معاویہؓ سے اختلاف چل رہا تھا اس زمانے میں بھی ایک دفعہ حضرت معاویہؓ نے خط لکھ کر ایک مسئلہ دریافت کیا آپؓ نے مسکرا کر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے مخالفین بھی' تفقہ فی الدین میں ہماری طرف رجوع کرتے ہیں اور مسئلہ کا جواب بھجوا دیا۔ جس کے مطابق حضرت معاویہؓ نے عمل کیا۔

تحمّل اور خوفِ خدا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ متفق علیہ حدیث ہے لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب "قوی (پہلوان) وہ نہیں ہے جو مقابل کو پچھاڑ لے بلکہ (حقیقی) قوی اور پہلوان وہ ہے جو غصہ اور غیض کی حالت میں اپنے نفس کو قابو میں رکھے" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی کامل تعمیل سیرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نظر آتی ہے..... آپ کو معلوم ہو گا کہ کسی شخص کی ذاتی توہین و تذلیل کی جو مذموم حرکتیں دنیا میں رائج ہیں' ان میں دو نہایت گھناؤنی ہیں ایک یہ کہ کسی کو ماں بہن کی گالی دی جائے اور ایک یہ کہ اس کے منہ پر تھوک دیا جائے ان حرکتوں پر کمزور سے کمزور شخص بھی غصہ سے مغلوب ہو کر کانپنے لگتا ہے اس کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر آجاتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ اگر اس کا بس چلے تو تذلیل کرنے والے کی تکا بوٹی کر دے گا اس سے اندازہ ہو گا کہ کسی قوی شخص کے جذبات کا کیا عالم ہو گا! آخر الذکر صورت کا ایک واقعہ حضرت علیؓ کے ساتھ بھی پیش آیا ہوا یہ کہ ایک غزوہ میں آں جنابؓ نے ایک کافر دشمن کو پچھاڑ لیا اور آپؓ چاہتے ہی تھے کہ تلوار سے اس کا سر قلم کر دیں کہ اس نے نیچے لیٹے لیٹے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپؓ اس توہین و تذلیل پر برافروختہ ہونے کی بجائے اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے

ہو گئے وہ مغلوب بھی حیران و پریشان اٹھ کھڑا ہوا اس نے آپؓ سے دریافت کیا کہ میں نے تو یہ سمجھ کر کہ مجھے تو قتل ہونا ہی ہونا ہے یہ انتہائی مذموم حرکت کی تھی لیکن آپؓ نے مجھے چھوڑ دیا۔ آپؓ نے اسے جواب دیا کہ میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی میں فی سبیل اللہ تم سے لڑ رہا تھا اور اسی لئے تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا لیکن جب تم نے میرے منہ پر تھوکا تو اس کے رد عمل میں تمہارے خلاف میرے دل میں شدید غیض و غضب پیدا ہوا۔ ساتھ ہی مجھے اللہ کا خوف آیا کہ اگر اس موقع پر تمہیں قتل کروں گا تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ قتل اللہ کے نزدیک اس کی راہ میں قتل شمار نہ ہو بلکہ میرے ذاتی غصہ کے انتقام میں شمار ہو اس لئے میں نے تم کو قتل کرنے سے ہاتھ روک لیا۔ یہ سن کر وہ کافر مشرک آپؓ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ یہ ہے تحمل خشیت الٰہی اور حقیقی شجاعت کا عملی نمونہ جو ہمیں حضرت علیؓ کی شخصیت میں نظر آتا ہے۔

شاہکارِ رسالت

غلام احمد پرویز صاحب نے حضرت عمرؓ کی سیرت کا عنوان "شاہکار رسالت" رکھا ہے۔ لیکن میری رائے میں یہ لفظ حضرت علیؓ کی شخصیت کے لئے زیادہ موزوں ہے کیونکہ بالکل ابتدائی عمر سے ہی آپؓ کو حضورؐ کی تربیت میں پرورش پانے کا موقع ملا پھر ایمان لانے کے بعد سے ہجرت تک اور ہجرت کے بعد حضرت فاطمہؓ سے نکاح تک آپؓ حضورؐ کے گھر میں ان کے ساتھ رہے۔

مکی دور میں حضرت علیؓ سے متعلق صرف چند واقعات روایات میں آتے ہیں کیونکہ اس وقت آپؓ کی عمر بہت چھوٹی تھی لیکن نوعیت کے اعتبار سے یہ واقعات کافی اہم ہیں۔ پہلا واقعہ تیرہ برس کی عمر میں پیش آیا جب حضورؐ نے حکم خداوندی کی تعمیل میں بنو ہاشم کے لئے کھانے کا اہتمام کیا تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ اس کے جواب میں بنو ہاشم میں سے کھڑا ہوا تو کون! ایک تیرہ سالہ بچہ علی ابن ابی طالبؓ اس موقع پر ان کی زبان سے جو جملے نکلے وہ تاریخی جملے ہیں۔ ذرا چشم تصور سے دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کو اللہ کی طرف بلا رہے ہیں اور کسی متنفس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کھڑا ہوتا ہے تو تیرہ برس کا ایک بچہ اور کہتا ہے کہ "اگرچہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں۔ اگرچہ میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں لیکن میں آپؐ کا ساتھ دوں گا" اور تمام لوگ قہقہہ لگا کر دلوں میں شاید یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ ہیں جو دنیا کی تاریخ کا رخ بدلنے کے لئے

کھڑے ہوئے ہیں اور یہ تیرہ سالہ بچہ ہے جوان کی مدد اور اعانت کے لئے خود کو پیش کر رہا ہے۔

دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی وہ امانتیں جو آپؐ کے پاس تھیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں اور انؓ کو اپنے بستر پر لیٹنے کے لئے ہدایت فرمائی اس وقت حضرت علیؓ کی عمر بائیس تیئیس برس کی ہوگی۔ رات بھر باہر دشمنانِ خدا اور رسولؐ کا محاصرہ رہا۔ اس خطرہ کی حالت میں بھی یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محو خواب رہا۔ یہ بھی آپؓ کی خفیہ شجاعت کا ایک مظہر ہے۔ حضرت علیؓ کی شخصیت کے جوہر مدنی دور میں ظاہر ہوئے جن کا ایک اجمالی نقشہ میں آپ حضرات کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ مکی اور مدنی دور میں آپؓ کی عمر کے معاملہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

مکی دور میں جو حضرات حضورؐ کے ہم عمر تھے وہ اول روز سے آپؐ کے دست و بازو بنے ہوئے تھے حضرت ابو بکرؓ ایمان لاتے ہی دعوت تبلیغ میں لگ گئے عشرہ و مبشرہ میں سے چھ حضرات، حضرت ابو بکرؓ کی دعوت و تبلیغ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے آکر وابستہ ہوئے۔ انہی میں عثمان غنی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمان ابن عوف، ابو عبیدہ ابن الجراح، اور سعید ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شامل ہیں یہ سب لوگ کون ہیں۔ یہ قریش کے چوٹی کے گھرانوں کے موتی اور ہیرے ہیں یہ مکی دور کی وہ سعید روحیں ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور نور فطرت عطا فرمایا تھا جو نور وحی سے جگمگا گیا اور انہوں نے دعوت ایمان پر لبیک کہا اور راہ حق میں نہایت مہیب مظالم برداشت کئے۔

صحابہؓ کی ایک درجہ بندی

اس موقع پر ایک ضمنی بات اور بھی سمجھ لیجئے۔ عام طور پر عمر کے لحاظ سے صحابہ کرام کو صغار صحابہ اور کبار صحابہ، دو درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ لیکن انؓ میں درحقیقت ایک درمیانی نسل بھی تھی۔ کبار صحابہؓ تو وہ ہیں جو حضورؐ کے ہم عمر تھے۔ ان میں حضرات ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ، حمزہؓ، طلحہ رضؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، یاسرؓ اور سعید ابن زید وغیرہ شامل ہیں۔ یہ مکی دور میں حضورؐ کے دست و بازو بنے اس سے اگلی نسل وہ ہے جو آں حضورؐ سے عمر میں تیس چالیس برس کا فرق رکھتی ہے۔ حضرت علیؓ کا تعلق اس نسل سے ہے۔ حضرت علیؓ نبی اکرمؐ سے تیس سال چھوٹے ہیں۔ ان کے علاوہ اس نسل میں اور کون صحابہ ہیں! حضرت مصعب بن عمیرؓ ہیں حضرت سعد ابن وقاصؓ

ہیں۔ حضرت خبابؓ ابن ارت ہیں حضرت صہیب رومیؓ ہیں حضرت بلالؓ ہیں حضرت عمارؓ ہیں وغیرہ ہم۔ صحابیات میں بڑی عمر میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ ہیں۔ ممکن ہے چند اور صحابیات بھی ہوں۔ اگلی نسل میں حضورؐ کی چار صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ ہیں۔ حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ ہیں یہ وہ نسل ہے جو آغازِ وحی کے وقت لڑکپن میں تھی یا حدودِ جوانی کو چھو رہی تھی۔ آپ کو ان کا کوئی کارنامہ مکی دور میں نظر نہیں آئے گا۔ اس دور میں شجاعت کا مظاہرہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کامل جائے گا۔

تیسری نسل میں وہ صحابہ کرامؓ شمار ہوں گے جنہوں نے ہجرت کے بعد مدینہ النبی میں ہوش سنبھالا۔ ان میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت اسامہ ابن زیدؓ، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ، حضرت حسن اور حضرت حسینؓ وغیرہم شامل ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے باہمی تعلقات

جس طرح ہر انسانی معاشرے میں اختلافات ہمیشہ موجود رہے ہیں اور رہتی دنیا تک رہیں گے۔ اسی طرح صحابہ کرام کے درمیان اختلافات ایک تاریخی حقیقت ہیں۔ ان کا انکار ممکن نہیں۔ لیکن ان کے درمیان اس بغض وعداوت اور دشمنی کا کوئی وجود نہیں تھا جس کو بنیاد بنا کر ابنِ سبا نے امت مسلمہ کو تفرقہ اور انتشار سے دوچار کر دیا۔ تاریخ کی کتابیں اور تذکرے ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں جو ان تعلقات کی فطری نوعیت یعنی ان کے درمیان الفت و مودّت اور اختلاف دونوں کی نوعیتوں کو واضح کرتے ہیں۔

غزوہ تبوک کے موقع پر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے نائب کی حیثیت سے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ مگر یہ بات حضرت علیؓ کے مزاج سے بعید تھی کہ وہ شرکتِ جہاد سے محرومی کو گوارا کر لیں۔ پھر کچھ منافقین نے طعنہ زنی بھی کی۔ چنانچہ آپؓ نے رنجیدہ ہو کر شکوہ کے انداز میں حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلیں، داد شجاعت دیں۔ اور میں عورتوں، بوڑھوں اور مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں رہ جاؤں! حضرت سعدؓ ابن وقاص روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی اس شکوہ آمیز التجا پر حضورؐ نے فرمایا کہ "اے علی! میرے ساتھ تمہارا وہی مقام، مرتبہ اور تعلق

ہے جو ہارونؑ کا موسیٰؑ کے ساتھ تھا سوائے اس کے کہ ہارونؑ نبی تھے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت ہارونؑ کرتے تھے' اسی طرح میرے نائب کی حیثیت سے تم مدینہ میں رہو..... البتہ چونکہ حضرت ہارونؑ نبی بھی تھے لہٰذا حضورؐ نے ساتھ ساتھ اس کی وضاحت بھی فرمادی کے نبوت کا دروازہ تو اب ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔

نیابتِ عمر

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ جب بیت المقدس کی فتح کے موقع پر یروشلم تشریف لے گئے تو مدینہ میں اپنا نائب حضرت علیؓ ہی کو بنا کر گئے۔ ذرا سوچئے تو سہی۔ کوئی حکمران ایک طویل سفر پر جاتے ہوئے اپنی جگہ کسی ایسے شخص کو بٹھائے گا جس پر اسے اعتماد نہ ہو۔ مدینہ سے بیت المقدس کے فاصلے اور اُس دور میں اونٹ کے سفر کی رفتار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر کی مدینہ سے غیر حاضری کوئی چند روز کی بات نہ تھی۔ اور پھر سفر کی صورت بھی یہ تھی کہ ایک منزل تک حضرت عمرؓ اونٹ پر سوار ہوتے تو غلام پیدل چلتا اور ایک منزل میں غلام سوار ہوتا تو خلیفتہ المسلمین عمرؓ ابن الخطاب اونٹ کی نکیل تھام کر پیدل چلتے تھے۔ گویا عملاً پیدل چلنے کی رفتار سے سفر طے ہو رہا تھا۔ دوسری مرتبہ حضرت عمرؓ نے اس وقت حضرت علیؓ کو اپنا نائب بنایا جب وہ امیر المومنین کی حیثیت سے حج کے لئے تشریف لے گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ نے اُسوۂ رسول پر عمل کرتے ہوئے حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جس تیزی کے ساتھ فتوحات کا دائرہ وسیع ہو ہے ذرا اس کا اندازہ تو کیجئے۔ ملک کے ملک اقلیم اسلامی میں آ رہے ہیں۔ ان میں بڑی بڑی آبادیاں ہیں۔ بڑے وسائل و ذرائع ہیں۔ یہ تمام علاقے نہایت زرخیز ہیں۔ اگر ان کا صحیح انتظام اور بندوبست نہ ہوتا تو بہت بڑی ہلاکت اور تباہی رونما ہو جاتی۔ میں نے لفظ ہلاکت یہاں جان بوجھ کر استعمال کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں کہ لَوَ لَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ" اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا"۔ فاروق اعظمؓ نے یہ کیوں کہا! اس لئے کہ آپؓ پر امیر المومنین خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اور بہت سی دوسری ذمہ داریاں تھیں۔ جن میں خاص طور پر فوجوں کا انتظام و انصرام' محاذوں سے آنے والی اطلاعات' ان کی روشنی میں مزید فوجوں کی کمک اور سامان رسد کی فراہمی

اور ترسیل کے انتظامات، پھر 'CRISIS' اور تشویش ناک صورت حال پر قابو پانے کی تدابیر پر غور وفکر اور ان کو روبعمل لانے کے انتظامات۔ ان امور کی انجام دہی میں آپؓ غلطاں وپیچاں رہتے تھے۔ لہٰذا استحکام، نظم اور داخلی انتظام کی طرف توجہ دینے کا آپؓ کو نہ وقت ملتا تھا نہ موقع...... آپؓ نے یہ سارا کام حضرت علیؓ کے ذمّہ کر رکھا تھا گویا حضرت علیؓ چیف سیکرٹری تھے حضرت عمرؓ کے۔ خلافت فاروقی میں جتنے بھی حکومت کے انتظامی محکمے قائم ہوئے ان میں سے اکثر حضرت علیؓ کی فہم وفراست کے رہین منت ہیں۔

عرب میں الگ الگ محکموں کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ اکثر محکمے حضرت علیؓ نے قائم کیے ہیں۔ تمام مفتوحہ ممالک کی پیداوار اور ذرائع نقل وحمل کے کوائف جمع کرائے۔ الغرض انتظامی امور حضرت علیؓ کے زیر ہدایت اور زیر نگرانی انجام پائے تھے۔

حضرت علیؓ کی نظر میں حضرت عمرؓ کا مقام

سرزمین عراق پر پیش قدمی کا آغاز اگرچہ دور صدیقی میں ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مسند خلافت پر رونق افروز ہونے کے بعد عراق کی مہم کی تکمیل کو اوّلین کاموں کی فہرست میں شامل کیا اور اس محاذ پر تازہ فوج روانہ کی۔ لیکن ایک موقع پر مسلمانوں کے لشکر کو سخت ہزیمت ہوئی اور نو ہزار فوج میں سے چھ ہزار مجاہد اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو جب اس شکست کی خبر ملی تو ان کو بڑا صدمہ اور رنج ہوا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ تازہ کمک لے کر میں خود محاذ جنگ پر جاؤں لیکن حضرت علیؓ نے انؓ کو روکا اور یہ فرمایا کہ چکی اس وقت تک چلتی ہے۔ جب تک اس کا دھرا (کلی) اپنی جگہ مضبوطی سے قائم رہے۔ اس وقت آپؓ کا مقام چکی کے دھرے کا ہے۔ امت مسلمہ کی چکی اس وقت تک چلے گی جب تک آپؓ اپنے مقام پر قائم رہیں گے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے مشورے کو قبول کیا اور خود محاذ جنگ پر جانے کی بجائے حضرت علیؓ و دیگر اصحاب شوریٰ کے مشورے سے حضرت سعدؓ ابن وقاص (یکے از عشرۂ مبشرہؓ) کو افواج کا سپہ سالار بنا کر نئی فوجوں کے ساتھ ایران کی سرحدوں پر بھیجا۔ اس واقعہ سے بھی اندازہ لگائیے کہ ان حضرات میں کتنا قلبی تعلق تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ دور رس میں حضرت عمرؓ کا کیا مقام تھا۔

بنتِ علیؓ سے نکاح

اسی مقام پر ایک اہم واقعہ اور نوٹ کیجئے کہ حضرت علیؓ کی صاحبزادی ' رسول اللہؐ کی نواسی اور حضرت فاطمہ الزہرہؓ کی نور چشم ام کلثوم حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔ جب حضرت عمرؓ نے پیغام بھیجا تو حضرت علیؓ نے یہ عذر پیش کیا کہ ابھی اس کی عمر کم ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ خاندان نبوت سے رشتہ استوار کروں۔ لہٰذا حضرت علیؓ نے ان کی خواہش کے احترام میں ۱۲ھ میں ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے کر دیا۔ غور کا مقام ہے کہ اگر ان حضرات میں باہمی محبت نہ ہوتی تو یہ ہونے والی بات تھی۔ اس نکاح کا ذکر تو خود اہل تشیع کی کتابوں میں بھی موجود ہے ' اس لئے وہ اس کا انکار تو نہیں کر سکتے لیکن ایسی توجیہ پیش کرتے ہیں جو حضرت علیؓ کی شجاعت غیرت اور حمیت کے منافی ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ حضرت علیؓ کی طرف سے قتل کی دھمکی سے خوفزدہ ہو کر یہ نکاح منظور کیا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ معاملہ

البتہ ہم یہ مانتے ہیں حضرت علیؓ کو بالکل ابتدائی دور میں حضرت ابو بکرؓ سے کچھ شکایت رہی ہے اور یہ شکایت بے بنیاد نہ تھی۔ ایک شکایت یہ تھی کہ خلافت کا فیصلہ کرنے میں انہیں شریک نہیں کیا گیا۔ لیکن اس فیصلہ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پہلے سے کسی سوچے ہوئے منصوبہ کا دخل نہیں تھا۔ امر واقع یہ ہے کہ حضورؐ کی وفات کی خبر مشہور ہوتے ہی انصارؓ کی کافی بڑی تعداد نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی اور حضرت سعد ابن عبادہؓ کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کر دی۔ چند مہاجرین بھی وہاں پہنچ گئے تھے اور بحث و تمحیص شروع ہو گئی تھی۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس موقع پر اگر ایک مرتبہ غلط فیصلہ ہو جاتا تو اس کو صحیح کرانے کے لئے خون کی ندیاں بھی بہہ جاتیں مگر اس کو صحیح کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اس نازک مرحلے پر جیسے ہی یہ خبر ملی ' یہ دونوں حضراتؓ وہاں پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک سنایا کہ " اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَیْش " تو سارا مجمع دم بخود رہ گیا پھر حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کے لئے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح کا نام تجویز کیا کہ ان دونوں میں سے کسی کو خلیفہ بنا لو لیکن حضرت عمرؓ زبان سے کچھ کہے بغیر آگے بڑھے ابو بکرؓ کا ہاتھ کھینچ کر ان سے خلافت کی بیعت کر لی۔ حضرت عمرؓ کی بیعت کے بعد انصار اور مہاجرین جو وہاں موجود

تھے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی مومنانہ فراست کو کام میں لا کر امت کو بڑے فتنے سے بچالیا۔ مگر حضرت علیؓ کے سامنے معاملے کی پوری تفصیلات نہیں تھیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد جب ان دونوں حضرات کی تنہائی میں گفتگو ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ نے پوری صورتِ حال حضرت علیؓ کے سامنے رکھی تو ان کا دل صاف ہو گیا۔ طبقات ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ایک دن ظہر کی نماز کے بعد حضرت علیؓ کی طرف سے عذر خواہی کی اور حضرت علیؓ نے شاندار الفاظ میں حضرت ابو بکرؓ کے فضل و شرف کا اعتراف کیا اور انؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر حضرت علیؓ پورے دور صدیقی میں ابو بکرؓ کے دست و بازو بنے رہے۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت فاطمہؓ میں بھی شکر رنجی ہو گئی۔ حضرت فاطمہؓ اس بات کی قائل تھیں کہ وراثت میں مجھے باغ فدک ملنا چاہئے۔ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول تھا کہ "انا معشر الانبیاء لا نورث ماترکنا فھو صدقة لہٰذا انہوںؓ نے دخترِ رسول کی یہ خواہش پوری کرنے سے معذرت کر لی جس پر حضرت فاطمہؓ رنجیدہ خاطر ہو گئیں۔ طبقات ابن سعد میں ہے حضرت فاطمہؓ کی وفات سے قبل حضرت ابو بکرؓ نے انہیں بھی راضی کر لیا تھا۔ یہ حقائق ہیں انسانوں میں اس قسم کی باہمی رنجش کا پیدا ہو جانا کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔ سورہ حجر میں ارشاد ربانی ہے کہ "ہم جب اہل ایمان کو جنت میں داخل کریں گے۔ تو ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گیں ہم انہیں نکال دیں گے۔ وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔" حضرت علیؓ کا یہ قول ہماری تفاسیر میں موجود ہے کہ یہ آیت میرے اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں نازل ہوئی ہے ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے میل آ گیا ہے جنّت میں داخل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس میل اور رنجش انؓ کی طبیعت اور ان کی سیرت و کردار کا نقشہ جو ہمارے سامنے آتا ہے وقتی رنجش یا کسی غلط فہمی کے پیدا ہونے کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن کوئی مستقل بغض، کوئی کدورت، ایک دوسرے سے کوئی مستقل دشمنی و عداوت کا معاذ اللہ ہم کوئی تصور تک نہیں کر سکتے۔

حضرت معاویہؓ کا ایک تاثر

مولانا معین الدین ندوی مرحوم نے اپنی کتاب "خلفائے راشدینؓ" میں حضرت معاویہؓ کے دربار خلافت کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ دربار میں حضرت معاویہؓ نے ضرار

اسدی سے کہا جو حضرت علیؓ کے حامیوں میں رہے تھے کہ حضرت علیؓ کے اوصاف بیان کرو۔ پہلے تو ضرار نے معذرت کی لیکن حضرت معاویہ کے اصرار پر وہ بولے کہ اگر اصرار ہے تو سنئے۔

"وہ (حضرت علیؓ) بلند حوصلہ اور قوی تھے' فیصلہ کن بات کہتے تھے' عادلانہ فیصلے کرتے تھے۔ انؓ کے ہر جانب علم کا چشمہ پھوٹتا تھا۔ ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی..... دُنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات اور رات کی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے۔ بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا۔ ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے..... جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے۔ اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے۔ باوجود یہ کہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو وہ اپنے قریب کر لیتے تھے۔ وہ اور خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے۔ غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ قوی کو اس کے باطن میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گذر چکی ہے۔ ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی ڈاڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مار گزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دنیا مجھ کو فریب نہ دے دوسرے کو دے۔ تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے یا میری مشتاق ہوتی ہے۔ افسوس افسوس میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں جس سے رجعت نہیں ہو سکتی۔ تیری عمر کم' اور تیرا مقصد حقیر ہے' آہ زاد راہ کم اور سفر دور دراز کا ہے۔ راستہ وحشت خیز ہے۔"

یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے اور فرمایا "اللہ تعالیٰ ابوالحسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر رحم کرے۔ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔"

اصحابِ رسولؐ میں حضرت علیؓ کا مقام

ہمارا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ جنہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپؐ کی

تعلیم اور تزکیہ و تربیت سے براہ راست فیض یاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی انبیاء رسل کے بعد پوری نسل انسانی میں من حیث الجماعت افضلیت مطلقہ کے حامل ہیں۔ ان ؓ کی محبت جزو ایمان ہے 'ان ؓ کی تعظیم و توقیر دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر ہے اور ان سے بغض و عداوت اور ان کی تحقیر و توہین در حقیقت حضورؐ سے بغض و عداوت اور حضورؐ کی تحقیر و توہین ہے۔ ان کے مابین جزوی فضیلت کے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں لیکن متعین طور پر فضیلت کی ترتیب یہ ہے کہ تمام صحابہ ؓ میں ایک اضافی درجہ فضیلت حاصل ہے حضرات اصحاب ؓ بیعت رضوان کو۔ پھر ان ؓ پر ایک مزید درجہ فضیلت حاصل ہے حضرات اصحاب ؓ بدر کو..... پھر ان ؓ پر ایک اور درجہ فضیلت کے حامل ہیں حضرات عشرہ مبشرہ ؓ کو۔ اور ان میں فضیلت مطلقہ حاصل ہے حضرات خلفاء ؓ اربعہ کو..... پھر ان میں فضیلت ترتیب خلافت کے مطابق ہے یعنی رسول اللہ کے بعد سب سے افضل ہیں حضرت ابو بکر صدیق ؓ' پھر درجہ ہے حضرت عمر ؓ فاروق کا۔ پھر مقام ہے حضرت عثمان ؓ غنی کا۔ اور پھر مرتبہ ہے حضرت علی ؓ مرتضیٰ کا۔

اب اگر کوئی حضرت علی پر زبان طعن دراز کرتا ہے تو سوچئے کہ اس کی زد کہاں کہاں پڑے گی۔ کیا حضرت علی ؓ کے بعد صحابہ کرام کی جماعت اس دریدہ دہنی سے محفوظ رہ سکے گی!!!

حرف آخر

یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت میں اگرچہ 'AMBIVERT' کی تمام خصوصیات موجوت تھیں اور آپ ؓ اپنی ذاتی حیثیت میں خلیفہ راشد تھے لیکن آپ کے عہد خلافت میں باہمی اختلاف رہا۔ امت آپ ؓ کی خلافت پر مجتمع نہیں ہو سکی۔ باہمی خانہ جنگی رہی۔ جنگ جمل' جنگ صفین اور جنگ نہراوان جیسے خونیں معرکے ہوئے۔ اس اعتبار سے یہ تمام جماعتیں اپنے طور پر خود کو حق پر سمجھتی تھیں۔ بڑے بڑے فتنے اس دور میں کھڑے ہو گئے تھے۔ حضرت علی ؓ نے ان فتنوں پر قابو پانے کی بھرپور کوشش کی لیکن سبائی فتنہ کے شجر خبیثہ کی جڑیں زمین میں اتنی گہری اتر چکی تھیں کہ انتہائی کوشش کے باوجود حضرت علی ؓ کے لئے ان پر تنہا قابو پانا ممکن نہ ہو سکا۔ اگر اس وقت مخلص با اثر اور صائب الرائے حضرات ایک بنیان مرصوص بن جاتے اور حضرت علی ؓ کی پشت پناہی کرتے تو حالات سدھر سکتے تھے۔ لیکن سبائی سازش نے غلط فہمیوں کا اتنا گھنا جنگل کھڑا کر دیا تھا کہ اس کا صاف ہونا ممکن نہ ہوا۔ اس کے نتیجے میں امت کے اندر فرقہ آرائی اور گروہ بندی کی ایسی

گرہ لگ گئی ہے جو نہ اس وقت کھل سکی اور نہ شاید قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے کھل سکے۔ لیکن اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ اس کا کوئی الزام حضرت علیؓ کی ذات پر نہیں ہے۔ اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ یہ انؓ کی کوتاہی تھی یا انؓ کی عدم صلاحیت تھی۔ یا اہلیت کی کمی تھی تو دراصل وہ تاریخ کو نہیں جانتا، وہ حقائق کو نہیں جانتا۔

اقول قولی هذا و استغفر الله لی ولکم السائر المسلمین و المسلمات

منہجِ انقلابِ نبویؐ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط

غارِ حرا کی تنہائیوں سے لیکر

مدینۃ النبیؐ میں اسلامی ریاست کی تشکیل اور اسکی بین الاقوامی توسیع تک

اسلامی انقلاب کے مراحل مدارج اور لوازم

پر مشتمل

ماہنامہ "میثاق" میں شائع شدہ

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دس خطبات کا مجموعہ

قیمت: -/۲۵ روپے (نیوز پرنٹ)

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶ ماڈل ٹاؤن لاہور

بیسویں صدی عیسوی

میں صنم کدۂ ہند میں "احیائے اسلام" کی کوششوں پر ایک اہم تاریخی دستاویز

جماعتِ شیخ الہندؒ اور تنظیمِ اسلامی

- ابوالکلامؒ امام الہند کیوں نہ بن سکے ــ ؟
- 'حزب اللہ' اور 'دارالارشاد' قائم کرنے کے منصوبے بنانے والا 'عبقریٔ وقت' کانگرس کی نذر کیوں ہو گیا!
- احیائے دین اور احیائے علم کی تحریکوں سے علماء کی بدظنی کیوں ؟
- کیا اقامتِ دین کی جدوجہد ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے !
- حضرت شیخ الہندؒ کیا کیا حسرتیں لے کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ؟
- علماءِ کرام اب بھی 'متحد' ہو جائیں تو

'اسلامی انقلاب' کی منزل دُور نہیں !

❖ فرائض دینی کا جامع تصور ❖ رجم ❖ عورت کی دیت ، اور دیگر مسائل پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی معرکۃ الآراء تحریروں اور خطبات کے علاوہ مورخِ اسلام
مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، مولانا افتخار احمد فریدی، مہاجر کابل
قاری حمید انصاری، پروفیسر محمد اسلم، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، مولانا
محمد زکریا، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور دیگر نامور علماءِ کرام اور اہلِ علم حضرات کی تحریروں پر مشتمل تاریخی مرقع

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے مبسوط مقدمے کے ساتھ

• ضخامت ۴۵۶ صفحات (نیوز پرنٹ) • قیمت -/۴۰ روپے

- 'میثاق' اور 'حکمتِ قرآن' کے مستقل خریداروں کو یہ کتاب ۲۵ فیصد رعایت پر مبلغ -/۳۰ روپے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پیش کی جائے گی ۔ ڈاک خرچ ادارے کے ذمے ہوگا ۔

نوٹ : کتاب محدود تعداد میں شائع کی گئی ہے ۔ اپنی کاپی جلد حاصل کر لیجئے ۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے !

: ملنے کا پتہ :

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

تکملۂ بحث

مولانا سید حامد میاں مدظلہٗ

نفاذ شریعت کا سیدھا راستہ

شریعت بل یا فقہِ حنفی؟

موجودہ شریعت بل کی شق نمبر ۴ یہ ہے: "مسلمہ فقہاء اسلام کی تشریحات"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمہ فقہاء اسلام تو بہت ہیں جیسے ترمذی شریف میں جابجا سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شعبہ ابن مبارک، اسحاق وغیرہ کا ذکر ہے۔ ترمذی کے علاوہ اور کتابوں میں شام کے مکحول اور اوزاعی، مصر کے لیث اور ان جیسے بیسیوں اکابر امت کے اقوال و تحقیقات کا ذکر ہے ان کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین میں ایسے حضرات کی تعداد تو بہت ہی زیادہ ہے۔ حاکم نیسا بوریؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب..... "معرفت علوم الحدیث" میں یکجا ذکر کرنے کی کوشش کی ہے حاکم (۳۲۱ پیدائش ۴۰۵ وفات) نے یہ کہہ کر کہ ان کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں، ان کا ذکر باعث برکت ہے اور یہ شرقاً غرباً معروف ہیں اپنی اس کتاب میں ص ۲۴۰ سے فہرست دی ہے۔ اسماء علماء مدینہ میں چودہ سطریں۔ اہل مکہ میں چھ سطریں اہل مصر پانچ سطریں اہل شام بیس سطریں اہل یمن نو سطریں اہل یمامہ دو سطریں اہل کوفہ بہتر سطریں اہل جزیرہ دس سطریں اہل بصرہ بائیس سطریں اہل واسط چار سطریں اہل خراسان انیس سطریں لکھی ہیں۔ ہر سطر میں اگر تین نام اوسطاً رکھے جائیں تو یہ ساڑھے پانچ سو کے قریب علماء بنتے ہیں۔

یہاں ذیل میں میں ایک بات کی طرف توجہ دلاتا چلوں کہ صرف کوفہ کے علماء کی ۷۲ سطریں بنتی ہیں اور پوری دنیا کے علماء کی ۱۱۱ سطریں۔ اس طرح صرف کوفہ کے علماء کی تعداد ۳۳۳ بنتی ہے یہی چیز علم حدیث، فقہ، اصول حدیث و فقہ اور علم قرآت کے اعتبار سے پوری دنیا میں مذہب اہل کوفہ کے غلبہ کا سبب رہی ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا ہے، لا احصی ما دخلت الکوفتہ یعنی کوفہ جتنی دفعہ گیا ہوں اس کا شمار نہیں۔ قرات راویت حفص آج تک پوری دنیا میں رائج ہے یہ کوفہ ہی کی ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ النعمان کی بھی۔ قرات سبعہ متواترہ میں سے تین قاری صرف کوفہ کے ہیں اور قرات عشرہ متواترہ کے قاریوں میں چار صرف کوفہ کے ہیں۔ علماء کوفہ کی اسی کثرت سے ان

کا علم حدیث علم تفسیر اور علم فقہ میں تفوق و بلند رتبہ ہونا ظاہر ہو رہا ہے نیز علاوہ حدیث و فقہ کے لغت اور صرف و نحو میں علماء کوفہ اور علماء بصرہ کے مذاکرات اور آراء الگ مسلم چلی آ رہی ہیں۔ اسی لئے قاموس وغیرہ کتب لغت میں بھی کوفہ کو قبتہ الاسلام لکھتے ہیں کوفہ کا اس لقب سے کتب لغت تک میں ذکر کیا جانا بڑی اہم بات ہے۔ اور صاحب قاموس تو مسلکاً بھی شافعی ہیں بس اس ذیلی بات کو نہیں ختم کرتا ہوں..... اور..... اب میں آپ کے سامنے یہ بات رکھنی چاہتا ہوں کہ شریعت بل کو مذکورہ شق نمبر ۴ کی رو سے جب کوئی قانون ساز کونسل ایک سرے سے تمام قوانین کا جائزہ لینا شروع کرے گی یا ترتیب و تدوین یا قانون سازی کرے گی تو وہ ان مذکورہ الصدر علماء میں سے کس کی تحقیق پر چلے گا؟ اس کونسل میں شریک ہر فرد کو اختیار ہو گا کہ وہ ان میں سے کسی بھی ایک کی مرجوح و متروک تحقیق لے لے تو متفقہ قانون کیسے بنے گا؟ ہر ایک اپنی پسند کی رائے یا دلیل کو ترجیح دے گا اور ایک مسئلہ بھی حل نہ ہو سکے گا خصوصاً اس دور میں جبکہ تقوے سے لوگ خالی ہیں اور عُجب (خود پسندی) عام ہے۔ غرض اس طرز پر کام کرنا بے سود بلکہ مضر ہو گا کیونکہ مدتوں پہلے ابتداء دور تابعین و تبع تابعین میں یہ ہو چکا ہے اور ہر مسئلہ پر بحث و تمحیص اور علمی مذاکرے ہو چکے ہیں اس کو میں حاکم کی اسی کتاب میں درج ایک مثال پیش کر کے واضح کرنا چاہتا ہوں۔

عبدالوارث بن سعید مکہ مکرمہ پہنچے تو انہیں خرید و فروخت کے معاملات میں ایک مسئلہ پیش آ گیا وہاں ابو حنیفہؒ، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہؒ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے پہلے تو ابو حنیفہؒ سے رجوع کیا کہ ایک شخص نے کوئی چیز فروخت کی اور ساتھ ہی شرط بھی لگادی (مثلاً کسی نے قلم بیچا لیکن بیع کے منافی یہ شرط لگادی کہ جب مجھے ضرورت ہو گی تو میں استعمال کروں گا) امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا کہ بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی باطل ہے۔

عبدالوارث کہتے ہیں کہ پھر میں ابن ابی لیلیٰؒ کے پاس گیا ان سے یہی مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ بیع (سودا) جائز ہے اور شرط باطل ہے، پھر میں ابن شبرمہؒ کے پاس گیا ان سے یہی مسئلہ دریافت کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ بیع بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے۔ میں نے کہا کہ سبحان اللہ آپ عراق کے تین فقیہہ ہیں اور ایک ہی مسئلہ میں آپس میں اتنا اختلاف! تو میں ابو حنیفہؒ کے پاس گیا انہیں یہ بات سنائی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں نے کیا جواب دیا لیکن۔

حدثنی عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن بیع و شرط

مجھے عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔

لہٰذا بیع بھی باطل اور شرط بھی باطل۔

پھر میں ابن ابی لیلیٰؒ کے پاس گیا انہیں میں نے یہ بتلایا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نہیں پتہ کہ دونوں نے کیا کہا لیکن :

حدثنی هشام بن عروة عن ابیه عن عائشه قالت امرنی رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم ان اشتری بریرة فاعتقها۔	مجھے ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے یہ روایت سنائی ہے کہ مجھے جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ میں بریرہؓ کو خرید کر آزاد

کر دوں (باوجودیکہ ان کے مالک نے بیع کے منافی ایک شرط لگائی تھی)

لہٰذا بیع تو جائز ہے اور شرط باطل ہے۔

پھر میں ابن شبرمہؒ کے پاس گیا انہیں ساری بات سنائی انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں نے کیا کہا ہے لیکن :

حدثنی مسعر بن کدام عن محارب بن دثار عن جابر قال بعت من النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ناقة و شرط لی حملانها الی المدینه۔	مجھے مسعر بن کدام نے محارب بن دثار سے انہوں نے حضرت جابرؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نے (سفر میں) جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اونٹنی فروخت

کی تھی اور آپ نے اس پر مدینہ منورہ تک سفر کی شرط منظور فرمائی تھی۔

لہٰذا بیع بھی جائز اور شرط بھی جائز ہے۔ معرفۃ علوم الحدیث ص۔ ۱۲۸

اسی طرح ایک اور مثال بھی ملاحظہ فرمالیں۔ جو بخاری شریف سے نقل کر رہا ہوں۔ یہی ابن شبرمہؒ (قاضی کوفہ) فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوالزنادؒ (قاضی مدینہ منورہ و استاد امام مالکؒ) نے اس مسئلہ میں گفتگو کی کہ مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو اس سے دوسرے گواہ کے نہ ملنے کی صورت میں بجائے گواہ کے قسم کھلوالی جائے (اور یہی ان کا اور اہل مدینہ کا مسلک تھا) میں نے انہیں جواب دیا کہ قرآن پاک میں مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہونے کی صورت میں یہ حکم ہے کہ پھر دو عورتیں ہوں۔ اور طویل عبارت اختیار فرمائی گئی

فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى

(سورہ بقرہ..... آیت ۲۸۲)

(اگر ایک گواہ اور مدعی کی قسم کافی ہو سکتے تو قرآن پاک میں مختصر کلمات میں ارشاد ہوتا فَرَجُلٌ وَیَمِیْنٌ)

(بخاری ص۳۶۶ ج۱)

غرض اس طرح علماء بلاد تک میں بھی سب مسائل پر گفتگو ہو چکی ہے اب اگر کوئی کمیٹی یا بورڈ یہی کام شروع کرے گا تو تیرہ سو سال پیچھے لوٹنے کے مترادف ہو گا اور کم علمی اور تقویٰ کے فقدان کی وجہ سے دین کا کھیل بنانا ہو گا خیر القرون میں مذکورہ بالا طریق پر نہایت بے نفسی کے ساتھ قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں علماء میں بہت بحث و تمحیص ہوتی رہی ہے۔ بہت سے مسائل ایسے تھے کہ جن میں ایک شہر کے علماء کا ایک موقف تھا اور دوسرے شہر کے علماء کا دوسرا موقف تھا۔ مثلاً وہ مسائل کہ جن میں علماء مدینہ اور علماء کوفہ کا اختلاف تھا (کیونکہ رفتہ رفتہ ایک ایک شہر کے علماء آپس میں گفتگو کر کے ایک ایک موقف پر متفق ہوتے چلے گئے تھے امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں اس قسم کا ایک مستقل باب رکھا ہے جس کا عنوان ہے ما اجمع علیه الحرمان) چنانچہ ایسے مسائل پر اہم بحثیں کتابوں کی شکل میں آئیں آئمہ حدیث و فقہ نے یہ کتابیں لکھیں امام محمدؒ نے "کتاب الحجة علی اهل المدینه" لکھی پھر امام شافعیؒ نے "کتاب الام" لکھی..... پھر بعد کے دور میں امام بیہقیؒ نے امام شافعیؒ کی تائید میں "سنن کبریٰ" لکھی تو اس پر امام ابن الترکمانی نے "الجوهر النقی" لکھی۔ "الجوهر النقی"۔ بیہقی پر ایسی چسپاں ہوئی کہ آج تک اس کے ساتھ مستقلاً لگی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ اب اس سمیت طبع ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف نے "اختلاف ابی حنیفه و ابن ابی لیلیٰؒ" اپنے دونوں استادوں کے اختلاف پر لکھی (۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ تبع تابعین میں ہیں)۔ امام ابو یوسفؒ کی یہ تصنیف اس قسم کے انداز کی پہلی معروف تصنیف ہے پھر امام طحاویؒ نے صحابہ کرام تابعین اور مجتہدین کے اختلاف پر مفصل کتاب لکھی۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ میں نے ان کی اس تصنیف کے اسی اجزاء دیکھے ہیں۔ ان کے بعد اس موضوع پر ابن منذر اور ابن نصر نے کتابیں لکھیں پھر امام ابن جریرؒ طبری نے ایک ضخیم کتاب لکھی..... یہ کام دوسری اور تیسری صدی میں ہوا۔ پھر اس کے بعد ابن عبدالبرؒ مالکی نے اس موضوع پر لکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری دنیا صرف چار مسلکوں پر قائم رہ گئی بلکہ صرف تین پر آ گئی پھر چوتھی صدی میں حنبلی مسلک بھی نمایاں ہونا شروع ہوا۔ یہ اختلاف اہل تقویٰ کا تھا اس لئے چیدہ چیدہ سینکڑوں علماء کی ایک ایک بات پر گفتگو نتیجہ خیز رہی اور دنیائے اسلام سینکڑوں مسالک سے ہٹ کر صرف چار پر آ گئی۔ اس وقت سے لے کر ایک ہزار سے زیادہ سال تک اسلامی حکومتیں ان ہی قوانین پر چلتی رہیں۔ اور چونکہ اس طویل ترین دور میں علم اور قانونی فیصلے اور فتوے سب شرعی ہوتے رہے اور علم ہی علم دین کو کہا جاتا تھا اس لئے بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقط حنفی مسلک ہی کی ایک ایک بات کی تائید آج تک ایک کروڑ علماء

ورنہ لاکھوں علماء کرتے آئے ہیں کروڑوں علماء واولیاء اور اربوں مسلمان اس پر عمل پیرا رہے ہیں اور حکومتیں چلتی رہی ہیں لہٰذا آج فقہ حنفی اور اس پر مبنی قانون وہ ہے جسے امت مسلمہ کی اتنی بڑی تعداد کی تائید حاصل ہے۔ آپ حضرات کی یعنی شریعت بل کی مذکورہ شق لانے والوں کی خواہش یہ ہے کہ وہ ذخیرہ تو ایک طرف لپیٹ کر رکھ دیا جائے اور یہ بورڈ جو آج کی نفس پرست حکومت اپنے دل پسند علماء پر مشتمل کر کے بنادے دین کے تمام معاملات میں سیاہ وسفید کی مالک بن بیٹھے اور از سر نو ابو حنیفہ 'ابن ابی لیلیٰ 'ابن شبرمہ 'ابن ابی الزناد' رحمھم اللہ کے دور کی طرح ہر مسئلہ کو ادھیڑ کر بساط سخن دراز کی جائے اور سرکاری علماء کے بورڈ کو مختار کل اور شرعی مقدس امور کا منبع قرار دیا جائے۔ یہ کہاں کی دیانت وعقل مندی ہوگی اور کوئی مسلمان جس کا آخرت پر ایمان ہوگا اسے کیسے تسلیم کرے گا۔ دین میں یہ ڈرامہ اور مسخرہ پن نہ چل سکے گا۔ رجم زناء کی حد ہے یا نہیں عورت کی شہادت' عورت کی دیت پر ہر خود پسند ہمہ دانی کا دعویٰ کر کے قلم کی جولانی دکھائی شرعی مسائل پر اسی طرح کا تماشا پھر لگے گا عجب رقص شتر کا منظر سامنے آئے گا اتنا شور مچے گا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے گی۔

● ممکن ہے شریعت بل والوں کے ذہن میں یہ ہو کہ ہم چاروں اماموں میں سے جس کے بھی مسلک میں آسانی نظر آئے گی اختیار کر لیں گے۔ چاروں کی فقہوں کو سامنے رکھ کر ان میں سے آسان چیزیں لے کر جدید فقہ تیار کر لیں گے۔ لیکن ایسا کرنا سب آئمہ کے متبعین کے نزدیک جائز نہیں ہے علماء نے اس کا نام تلفیق رکھا ہے۔ یہ ممنوع ہے۔ اگر آپ لوگوں کی خواہش یہ ہے تو اسے اتباع حق نہیں کہا جائے گا اسے اتباع ہوا..... کہا جائے گا اہل اہواء بدعتی شمار کئے گئے ہیں۔ آپ اس باطل اور غلط بنیاد پر جو عمارت بنائیں گے وہ غلط ہوگی۔ اسے وہی علماء صحیح کہہ سکیں گے جو دین کو دنیا کے عوض بیچنے پر راضی ہوں۔

● اگر مسلمانوں کو یہ سبز باغ دکھایا جائے کہ اس طرح کی شریعت آج کے تقاضوں پر پوری اتر سکے گی تو یہ بھی خام خیالی سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ مسالک تو چاروں ہی پرانے ہیں۔ اگر نئے دور تک کوئی مسلک حاوی ہو سکتا ہے تو وہ حنفی ہی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب دین سے بھاگنے کی صورتیں ہیں نہ کہ دین پر عمل کی۔ اس طرح کی تدابیر سے جو معرض وجود میں آئے گا وہ چھوٹا دین اکبری ہوگا سود اور جوا جائز قرار دیا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

● آج کل حامیان شریعت بل یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ علماء کے بائیس نکات دین کے نفاذ کے لئے کافی ہیں (اور بعض لوگ تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا انگریز کافر کے دور کا ۳۵ء کا فتویٰ بھی اس اپنے ناقص شریعت بل کے لئے مسلمان ملک میں دلیل کے طور پر اٹھا کر لے آئے ہیں

لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ) اور ابھی میں یہ مضمون لکھ ہی رہا تھا کہ مئی کا میثاق موصول ہوا اس میں بھی عجیب باتیں لکھی ہیں۔

اس میں مقبول الرحیم مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ سے لے کر اب تک ہماری جمعیت نے نفاذ فقہ حنفی کو اپنا موقف نہیں بنایا علامہ عثمانیؒ نے بائیس نکات کو موقف ٹھہرایا تھا انہوں نے فقہ حنفی کو موقف نہیں بتایا تو آپ لوگ کیوں اسے اپنا موقف بنا رہے ہیں۔ لیکن یہ دلیل بے وزن ہے اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ علامہ عثمانیؒ نے بائیس نکات کو کیوں موقف بنایا تھا جبکہ ان کے اسلاف نے بائیس نکات کی کبھی بات نہیں کی تھی اصل بات تو یہ ہے کہ علامہ عثمانیؒ نے یہ تمہید کی تھی یہ نکات شریعت کے نفاذ کے لئے ہی تجویز کئے تھے اور نفاذ قانون شریعت اس کے سوا کسی صورت نہیں ہو سکتا کہ عدلیہ مرتب کو شرعی احکام کے تراجم مہیا کر دیئے جائیں اور مرتب شدہ احکام فقہ کے سوا اور ہیں ہی کہاں اس لئے آج کی صورت حال میں فقہ حنفی کے نفاذ کا انکار شریعت کے نفاذ کے مترادف ہے۔

نیز یہ بھی غور کریں کہ علامہ عثمانیؒ جن کی ساری زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں گذری..... پاکستان بننے کے بعد اپنے دینی جذبات بروئے کار نہیں لا سکے اس عظیم صدمہ پر ان کے آنسو بہتے دیکھنے والے تو آج تک زندہ ہیں۔ اگرچہ مولانا عرض محمدؒ مولانا عبدالواحد صاحبؒ ' خطیب گوجرانوالہ کی وفات ہو گئی جوان کے براہ راست شاگرد تھے مگر مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہٗ کی طرح ان حضرات کے ساتھ والے علماء بفضلہٖ تعالیٰ موجود ہیں۔ غرض علماء کی خواہش و امنگ اور اجڑ کر آنے والے تباہ حال مسلمان عوام کی دلی تمنا تو یہ تھی کہ پاکستان میں اسلامی قوانین ہوں گے لیکن خواص کے افکار اور ہی تھے مذہب سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا چنانچہ آزادیٔ کے بعد جو حکومتی ڈھانچہ معرض وجود میں آیا وہ سیکولر یا لامذہب حکومت کا تھا چیف جسٹس کارنیلیس (عیسائی) وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل (ہندو) وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں (قادیانی) افواج کے سب سربراہ انگریز (عیسائی یا لامذہب) جنرل میسروی 'جنرل گریسی 'فضائیہ کے آر ایچرے. بحریہ کے ریئر ایڈمرل جیفورڈ (سب انگریز) پنجاب کا گورنر انگریز سر فرانسس موڈی مشرقی پاکستان کا انگریز گورنر فریڈ راک بورن صوبہ سرحد میں کنگھم اور ڈنڈاس (انگریز اور عیسائی) گورنر رہے۔ علامہ کا تو یہ حال ہوا کہ ع

بس خون ٹپک پڑا نگہِ انتظار سے

بالآخر کچھ تبدیلی آئی لیاقت علی خاں کے دور میں مولانا کا کچھ بس چلا تو شیرازہ جمع کیا اور علماء کو ۲۲ نکات پر متفق کیا۔ اسکے کچھ ہی عرصہ بعد ۱۳ دسمبر ۴۹ء کو علامہ صاحب وفات پا گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ اگر وہ زندہ رہتے تو قانون اسلامی کے نفاذ کے لئے اس کے سوا وہ اور کیا کرتے کہ قانون کے لئے حنفی

کتب کا ترجمہ کرانے اور عدلیہ کو اس پر چلانے کی کوشش کرتے قابل عمل شکل ہی یہ ہے بس جوان کا اگلا قدم ہوتا وہ ہم اٹھا رہے ہیں۔ نیز ان ۲۲ نکات میں اور نفاذ فقہ حنفی و فقہ جعفری اور غیر مقلدوں کے لئے ان کے عالم کو ان کا جج مان لینے میں تعارض کیا ہے بلکہ آپ کا اس اگلے قدم سے روکنا نفاذ اسلام کو روکنا ہے بلکہ بالفاظ دیگر ۲۲ نکات سے انحراف بھی۔ مینار پاکستان پر یہ اعلان تو اب ہوا ہے میں تو ذاتی طور پر اس کے لئے ۷۷ء سے کوشاں ہوں۔ حضرت مفتی محمود صاحبؒ سے عرض کرتا رہا ہوں۔

میثاق کے اسی پرچہ میں مقبول الرحیم صاحب مفتی نے ڈاکٹر اسرار صاحب کے ۳ر اپریل کے جمعہ کے خطاب کے یہ جملے نقل کئے ہیں۔

> "قرآن و سنت سے براہ راست استنباط کرتے ہوئے آج کے مسائل کا حل تلاش کرنا بھی اسی طرح درست ہے، جس طرح کسی فقہی مسلک کی فقہ کو نافذ کرنا درست ہے"۔

اگر ڈاکٹر صاحب کے سامنے آج کے حالات میں ایسے حل طلب مسائل ہیں کو جن کا حل فقہ میں موجود نہیں تو وہ ان کی نشاندہی کریں جامجامدارس میں علماء اور مفتی حضرات موجود ہیں ان سے رجوع فرمائیں مجھے بھی بتلائیں اور اگر خدانخواستہ ڈاکٹر صاحب کا مقصد یہ ہے کہ فقہ حنفی کے نفاذ کا نام نہ لیا جائے اور ہر مسئلہ میں چاہے وہ پہلے سے حل شدہ موجود ہو۔ اب بلاوجہ بھی اجتہاد کی اجازت کو عام کیا جائے تو یہ غلط ہے اور ضلالت ہے میں اس کا شدید مخالف ہوں یہ دین کے لئے سم قاتل ہے۔ یہ انداز فکر اور سوچ بر خود غلط لوگوں ہی کی ہو سکتی ہے۔

دار العلوم دیوبند میں مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ ہی کے حل کردہ ۳۶ ہزار فتوے ہیں۔ یہ دار العلوم کے پہلے مفتی تھے ان کے بعد سے اب تک کی تعداد معلوم نہیں مولانا مفتی محمود صاحب کے حل کردہ مسائل کے تیس کے قریب رجسٹر قاسم العلوم ملتان میں موجود ہیں۔ ان سب کارناموں پر انگریزی قانون نے پردہ ڈال رکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے جو بات کی ہے وہ اپنے ارد گرد لوگوں سے متاثر ہو کر کی ہوگی۔ بہرحال اس سے انہیں رجوع کرنا لازم ہے۔ اگرچہ وہ غیر مسند غیر مقلد ہیں مگر میری مذکورہ بالا تشریح پر غور کرنا چاہئے۔ وَاللّٰہُ یَہْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ.....

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا
قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝

(الفرقان : ۷۴)

اے ہمارے ربّ
ہمیں ہماری اولاد اور بیویوں (کی طرف) سے
آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما
اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے

□ □ □ □

میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ، پرانی انارکلی لاہور

یادِ رفتگاں

"اک دُھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے"

مولانا محمد حنیف ندوی

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

احقر ۱۹۷۴ء میں لاہور منتقل ہوا' وہ دن اور آج کا دن' اس شہر نے کمبل کی طرح مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لاہور آنے کا بنیادی سبب تو میرے مخدوم و محترم مولانا عبید اللہ انور تھے جن کی خواہش کے احترام نے مجھے اس شہر کا باسی بننے پر مجبور کیا اور میں اپنے والد بزرگوار سے اجازت لے کر یہاں چلا آیا۔ مولانا کی خدمت میں دس برس کی کامل حاضری رہی' انہوں نے محبت و پیار اور شفقت و مروت کے وہ جام پلائے کہ آج ان کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد بھی ان کا کیف میری زندگی کا سرمایہ ہے۔ فیاحسرتا کہ بعض بونے لوگوں نے آخری دنوں ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ میں ظاہری طور پر ان سے جدا ہو گیا گو کہ میری روح اور میرے قلب کا رشتہ عقیدت الحمدللہ ان سے برابر قائم رہا۔

ان کے بعد اس شہر کی جن علمی' دینی اور روحانی شخصیتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا..... ان میں ایک مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم تھے جو جولائی ۱۹۸۷ء کی ایک ایسی تاریخ کو دنیا سے رخصت ہو گئے کہ میں لاہور سے بہت دور اس حرماں نصیب شہر میں تھا' جس کا نام کراچی ہے اور جو ایک عرصہ سے بربادی کے جہنم میں جل رہا ہے۔

اپنے مرحوم دوست نعمت اللہ قادری شہید کے دولت کدے پر وحید آباد میں صبح کی نماز کے بعد ایک اخبار کی ورق گردانی کرتے ہوئے ایک مختصر سی خبر نظر سے گزری' جو مولانا کی وفات کے متعلق تھی۔ دل پکڑ کر بیٹھ گیا' میرے وسائل ایسے نہ تھے کہ جہاز کا مہنگا سفر اختیار کر کے لاہور پہنچتا اور اپنے مخدوم و محترم بزرگ کا آخری دیدار کر سکتا۔ مزید دکھ اس بات کا ہوا کہ ایک ایسا شخص جس نے لاہور جیسے قطب البلاد اور علمی و ادبی شہر میں نصف صدی سے زائد عرصہ بھرپور زندگی گزار کر اس جہان سے منہ موڑا وہ دو معذور بچوں کو چھوڑ کر رخصت ہوا' اس کا جنازہ کرایہ کے مکان سے اٹھا اور وہ کوئی ایسا اثاثہ چھوڑ کر نہیں مرا کہ اس کے ستم رسیدہ اہل خانہ اس سے کچھ استفادہ کر سکیں۔ قومی اخبارات نے اس کی موت

کی خبر کے لئے اپنے اخبار کی ایک آدھ سطر وقف کرنا گوارا کرلی..... یہ بھی احسان ہے ورنہ تو مادام نور جہاں صاحبہ کے لئے جلی سرخیاں لگائی گئیں کہ وہ بم کے دھماکہ والے دن بوہری بازار میں ہی تھیں .....بڑا کرم ہوا کہ وہ بچ گئیں ورنہ اس قوم کو یتیمی کا داغ برداشت کرنا پڑتا کہ ان کی "ملکہ" رخصت ہوجاتی۔

میں اپنے دو عزیزوں حافظ محمد معاویہ اور قمرالحق سمیت تھوڑی دیر قبل صدر کراچی کے علاقہ سے نکل کر پرانی نمائش پر واقع ہفت روزہ "ختم نبوت" کے دفتر سے ہوتا' گورومندر کی مسجد میں پہنچا۔

محب کرامی مولانا محمد طیب

کاشمیری کے یہاں نماز عصر ادا کی' چائے کی پیالیاں ہاتھ میں تھیں کہ دھماکے کی آواز آئی' زیادہ توجہ نہ ہوئی۔ وہاں سے نکل کر حضرت الشیخ مولانا محمد یوسف بنوری کے مزار پر حاضری دے کر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتابوں کے پاکستانی ناشر برادر گرامی مولانا فضل ربی کے پاس پہنچے۔ ان کی معیت میں پھر مغرب و عشا کی نمازیں یوسفی مسجد چورنگی ناظم آباد کے پیش امام محترم سعید بخاری صاحب کے پاس پڑھیں جو درویش منش انسان ہیں۔ ان کے ساتھ پھر صدر کے علاقہ میں جاکر اس قیامت کے سماں کو دیکھا..... پریشانی کا ایک عالم تھا' چار سو شورِ محشر' ہم سوچ رہے تھے کہ انسانیت کے علمبردار دنیا سے کہاں رخصت ہوگئے' ایسی درندگی ایسی وحشت و بربریت..... ستم یہ ہے کہ تڑپتی لاشوں کی موجودگی میں بھی بعض بدبخت دکانوں اور مکانوں سے سامان لوٹنے میں معروف تھے..... اگلے دنوں میں صوبے اور مرکز کے حاکموں کے لمبے چوڑے بیانات آئے جو ایک رسم ہے' پچھلے المناک حادثات کی طرح یہ حادثہ بھی گزر گیا کسی حاکم کے کان پر جوں تک نہ رینگی کہ شرم تو اہل شرم کے لئے ہے۔ اسی ماحول اور کشمکش میں کراچی کے دو محترم بزرگوں مولانا محمد طاسین اور ڈاکٹر ابو سلمان صاحب سے مولانا ندوی کے تذکرے ہوتے رہے اور ہم بادیدہ نم واپس آگئے۔

مولانا کی زندگی پر لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا بعض دوستوں نے خواہش بھی ظاہر کی' سوچا میرے جیسا کم علم کیا لکھے گا۔ اس میں شک نہیں کہ مولانا علم و معرفت کی دنیا کے عظیم انسان تھے' قدرت نے انہیں بے پناہ صلاحیتوں اور خوبیوں سے مزین کر کے اس دنیا میں بھیجا' وہ انسانیت کی اعلیٰ ترین اقدار کے حامل تھے' ان کا آئینہ قلب صاف تھا' وہ مومنوں والی زندگی جئے اور اس انداز سے دنیا سے رخصت ہوگئے کہ رہے نام سد اللہ کا۔

لیکن مجھے یقین ہے کہ اس مادیّت گزیدہ دنیا کے شریف لوگ حنیف ندوی کو خوب یاد رکھیں گے اور ان کے علمی کارناموں سے برابر استفادہ کرتے رہیں گے۔

.....

کلب روڈ پر واقع ادارہ ثقافت اسلامیہ اور مولانا کے گھر کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر ان کی مجالس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ کئی مرتبہ میری مسجد میں بھی تشریف لائے ایک آدھ مرتبہ میری اقتدا میں جمعہ کی نماز بھی ادا کی اور اپنی عظمت و محبت کے پیش نظر تقریر کی تعریف فرمائی..... اس کے علاوہ چند مرتبہ لاہور کے معروف طبیب محترم حکیم محمد شریف گجرانوی کے دولت کدہ پر مجلسیں رہیں، جہاں بطور خاص ڈاکٹر رشید احمد جالندھری جیسے درویش منش عالم باعمل بھی موجود ہوتے..... ان مجالس میں علم و دانش کے کتنے موتی ہمارے دامن نے سمیٹے، کیسے کیسے لطائف ان بزرگوں کی زبان سے سنے اخلاص و مروّت کے کتنے سبق ملے..... آہ کہ یہ باتیں یاد آتی ہیں تو دل سی پارہ ہو کر رہ جاتا ہے کہ ایسے پراگندہ طبع لوگ اب دنیا میں لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

.....

اپنے محترم دوست محمد اسحٰق بھٹی صاحب کی رفاقت میں تو مولانا مرحوم سے لاتعداد ملاقاتیں ہوئیں جن کی داستان لکھنا میرے بس میں نہیں شاید بھٹی صاحب ہمت کر سکیں۔

ایک موقعہ پر بھٹی صاحب نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا اور کہا کہ مولانا کی تعلیمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کی غرض سے ایک محفل کا انعقاد ہونے والا ہے جس کا مہمان خصوصی اس وقت کے وزیر تعلیم ڈاکٹر محمد افضل کو ہونا تھا۔ میرے لئے حکم یہ تھا کہ مولانا کی "تفسیرِ قرآن" پر مضمون لکھوں۔ جس میں ضمناً دوسری کتابوں کا تذکرہ بھی آجائے۔ احقر نے مولانا کی تفسیر کا سنا تو تعجب ہوا، پوچھا وہ کہاں ہے؟ تو کہا کہ میرے پاس تو نہیں، وہیں قریب بیٹھے مولانا سے پوچھا تو فرمایا میرے پاس نہیں، اب شہر بھر کی لائبریریوں کی خاک چھانی، بعض افراد سے پوچھا، ہر جگہ جواب نفی میں، آخر پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے چند پارے میسر آئے، وہاں سے معلوم ہوا کہ لاہور کی قدیم فرم ملک سراج الدین نے اسے چھاپا تھا ملک صاحب کے فرزند ملک عبدالرؤف صاحب سے رابطہ ہوا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ملک صاحب اسی تفسیر کے پازیٹو لے کر ان کی اصلاح اور بار دگر اشاعت کے نظم میں مشغول تھے..... انہوں نے معلومات فراہم کیں بعض پارے مستعار دیئے۔

جن کی کوشش سے میں نے وہ مضمون مکمل کیا جو بعض دانشوروں کی عادت "ضیاع وقت" کے سبب اس مجلس میں پڑھا نہ جا سکا۔ تاہم اب ادارہ کے پرچہ "المعارف" میں طویل انتظار کے بعد اس طرح چھپا ہے کہ بس چھپ گیا ہے وہ مضمون تو المعارف میں آپ پڑھ لیں، مختصراً اتنا سمجھ لیں کہ مولانا کی وہ تفسیر یا تفسیری نوٹس ایسے ہیں، جن سے ان کے علم کی گہرائی، ذوقِ قرآن فہمی اور قلم پر گرفت کا اندازہ ہوتا ہے..... وہ لوگ جو مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کے نامکمل رہنے کا ماتم کرتے ہیں ان کے لئے یہ نسخۂ شفا ہے اور قرآن کے الفاظ میں فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ کا مصداق!

ملک عبدالرؤف صاحب جلد سے جلد اس کو شائع کرنے کا عزم رکھتے تھے، انہوں نے احقر سے فرمائش کر کے ایک مقدمہ نما تحریر بھی لکھوائی، لیکن افسوس کہ بعض حوادث کے سبب مولانا کی زندگی میں یہ کام ممکن نہ ہو سکا ابھی سفرِ کراچی سے واپسی پر میں نے انہیں فون کیا تو بہت افسوس کرنے لگے اور اس عزم کا اظہار کیا کہ اب تاخیر نہ ہوگی تاکہ جلد سے جلد مولانا کی روح کی خوشی کا سامان فراہم ہو سکے۔

.....

اس تفسیر میں مولانا نے جتنے جامع نوٹ لکھے ہیں، وہ انہیں کا حصہ تھا، دراصل وہ قرآن کے بہت عظیم طالب علم تھے، لاہور کے بھرپور علمی دور میں اسلامیہ کالج کی مسجد میں ان کے خطبۂ جمعہ و درسِ قرآن کے عینی گواہ آج بھی موجود ہیں، جو مزے لے لے کر ان کیفیات کو بیان کرتے ہیں۔

درس قرآن کے حوالہ سے میں نے اب تک لاہور کے گلی کوچوں میں پرانے بزرگوں کے حوالے سے تین حضرات کا نام ہر جگہ سنا اور بڑے احترام سے، ایک مولانا احمد علی لاہوری، دوسرے مولانا غلام مرشد تیسرے مولانا ندوی کا!

قرآن کے ساتھ حدیث کے ذخیرے پر بھی ان کی نظر گہری تھی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی عقیدت میں ان کی روح ڈوبی ہوئی تھی۔

فلسفہ و کلام جیسے مشکل اور پیچیدہ موضوعات ان کے سامنے ہاتھ باندھے نظر آتے تو فقہ و تصوف کے متضاد دھاروں کو جوڑنے کا انہیں خوب فن آتا تھا۔ اپنے وقت کے بہترین اساتذہ کے ہاتھوں میں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسے مثالی مدرسے میں ان کی تعلیم و تربیت مکمل ہوئی۔

پھر انہوں نے جدید فلسفے کو سمجھا اور اس کو پی گئے مگر ڈکار نہ لی۔ جدید ذہن کی الجھنوں کو سمجھا نفسیات کو جانا اور ان سب چیزوں کے بعد وہ اس مقام پر نظر آئے کہ قدیم و جدید دنیا کے شہسوار ان

کو سلام کرنے لگے اور ان سے کسبِ فیض کرنے میں فخر محسوس کرتے۔

مولانا نے جمعیت اہل حدیث کے مثالی و معیاری دور میں ہفت روزہ "الاعتصام" کی ادارت کا فرض سرانجام دیا۔ اس زمانہ میں ان کے قلم سے جہاں وقتی مسائل پر عظیم نوٹ نکلتے وہاں بعض ایسے مضامین بالاقساط انہوں نے لکھے کہ انہیں پڑھ کر روح کو بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔ ایسے مقالات میں دو مقالے میرے علم میں ہیں۔ ایک تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر ہے جس کا عنوان ہے "چہرہ نبوت قرآن کے آئینہ میں" مولانا ابوالکلام آزاد کی خواہش تھی کہ قرآن کی روشنی میں سیرتِ رسولؐ لکھی جائے ..... کچھ کام ہوا بھی جسے مولانا غلام رسول مہر نے مکمل کر کے "رسولِ رحمت" کے نام سے چھاپا' مولانا آزاد کے سیکرٹری اجمل صاحب کی اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب احقر کے ہی توجہ دلانے سے ایک عزیز چھاپ رہے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی اس موضوع پر تقاریر کا ایک سلسلہ چھپا ہے' مولانا ندوی نے ۵۰ سے زائد اقساط اس پر لکھیں' اللہ کرے کہ وہ جلد کتابی شکل میں چھپ جائیں تو ان لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں گی جو اپنی روایتی بدمستیوں سے مولانا جیسے لوگوں کا ایمان تولنے کی جسارت کرتے اور ان کے جذبہ حب رسول کی نفی کرتے ہیں۔

ایک دوسرا مقالہ حضور اقدس ہی کی ختم نبوت پر تھا..... یعنی "ختم نبوت نئے زاویوں سے" سبحان اللہ' کیا مقالہ ہے اس کا ایک ایک نقطہ سچائی کا مظہر ہے اور اس سے جہاں اس کلیدی مسئلہ پر بھرپور روشنی پڑتی ہے وہاں جدید فلسفے کا مارا ہوا انسان ایک لذت و خوشی محسوس کرتا ہے۔ مولانا کی زندگی میں یہ مقالہ ایک مرتبہ کتابی شکل میں چھپا' جواب بازار میں نہیں ہے۔ مولانا نے اپنا ذاتی نسخہ خصوصی عنایت سے اس احقر کو عنایت فرمایا لیکن میں نے مناسب یہ سمجھا کہ اس کی فوٹو کاپی لے کر اصل مولانا کو واپس کر دوں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا وہ کاپی میرے پاس محفوظ ہے۔

مولانا کی تصنیفی اور تالیفی زندگی کی داستان بہت طویل ہے' انہیں قرآن و حدیث سے جو دلچسپی تھی وہ روز روشن کی طرح واضح ہے ان کے بعد ان کی دلچسپیوں کا مرکز حجۃ الاسلام امام غزالی کی ذات گرامی تھی' غزالیؒ کے حوالہ سے ان کی کتابیں اہل علم میں جتنی مقبول ہیں اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ چند سال قبل شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی۔ اللہ تعالیٰ کے فرزند گرامی مولانا سید اسعد لاہور تشریف لائے تو انہوں نے مولانا کی کتابوں سے متعلق گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور اس خواہش کا شدت

سے ذکر کیا کہ وہ کتابیں مجھے فراہم کی جائیں۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان دنوں وہ کتابیں ساری کی ساری یا اکثر خود اس ادارہ میں موجود نہ تھیں جو انہیں شائع کرنے والا تھا۔ مولانا کے میزبانوں نے جیسے کیسے وہ کتابیں فراہم کیں تو مولانا اسعد کی خوشی دیدنی تھی 'انہوں نے ان کی بہت تعریف کی۔ غالباً اس سے قبل وہ ان کا مطالعہ کر چکے تھے۔

ایک عرصہ کے بعد مولانا ندوی کی مجلس میں اس واقعہ کا کسی نسبت سے ذکر آیا تو انہوں نے کسی قسم کے بے جا فخر و تعلی کا اظہار کرنے کے بجائے اپنے خالق و مالک کا شکریہ ادا کیا جس نے اپنے صالح بندوں میں ان کتابوں کو مقبول بنایا۔ ہاں اتنا ضروری فرمایا کہ مولانا کی اس خواہش کو مجھ تک پہنچایا جاتا تو میں بصد خوشی اپنے نسخے انہیں پیش کر دیتا کہ دور کے مہمان 'اتنے بڑے باپ کے بیٹے اور خود بھی صاحب علم و فضل انسان کا ہم پر بڑا حق ہے۔

امام غزالی کے علاوہ شیخ ابن تیمیہ 'فیلسوف ہند شاہ ولی اللہ 'امام ابوالحسن اشعری جیسے اکابر امت ان کی عقیدتوں کا مرکز تھے اور انہیں کی نسبت سے مولانا نے نہایت بیش قیمت علمی جواہر پارے مرتب کر کے اس امت کی بہتری کا سامان فراہم کیا۔

شرق پور ضلع شیخوپورہ کا ایک معروف قصبہ ہے وہاں کے قابل احترام بزرگ حضرت میاں شیر محمد صاحب نقشبندی مجددی کی زیارت و ملاقات کو مولانا سید انور شاہ کاشمیری مولانا احمد علی لاہوری اور علامہ اقبال جیسے لوگ جاتے۔ میاں صاحب نے مولانا انور شاہ کو دیوبند کے چار نوری وجودوں میں سے ایک وجود قرار دیا..... میاں صاحب کے ایک مداح اور ان کے شہر کے صاحب نظر اور مجاہد اہل قلم ملک حسن علی جامعی نے مولانا ابوالکلام آزاد کی نامکمل تفسیر مولانا سے مکمل کرنے کی خواہش کی تھی اور پیغام بھجوایا تھا کہ آپ ہر طرح سے اس کے اہل ہیں..... میں نے اس پیغام کے حوالے مولانا سے عرض کیا تو مولانا نے وہی جواب دیا جو ایک صحیح الفطرت عالم کا ہوتا ہے کہ کجا مولانا آزاد اور کجا میں 'لیکن مجھ جیسے لوگوں کے بار بار اصرار کے سبب وہ کسی درجہ میں آمادہ ہو گئے پر افسوس کہ اب عملاً ایسا ہو نہ سکا۔ بہر طور ان کی اپنی تفسیری کاوش جیسا کہ میں نے عرض کیا بلاشبہ نوشان محبت کے لئے عظیم سرمایہ ہے اور جلد ہی وہ چھپ کر آئے گی تو اہل نظر میرے قول کی تصدیق کریں گے۔ اس کے علاوہ مولانا نے قرآن کے حوالہ سے "مطالعۂ قرآن" اور "لسان القرآن" لکھیں "مطالعۂ قرآن" ایک صاحب قلم کے بقول ایسی کتاب ہے کہ اس میں

' مولانا نے قرآن کے متعلق ان تمام مباحث و مسائل پر محققانہ اظہار خیال کیا ہے جن سے نہ صرف قرآن فہمی میں خصوصیت سے مدد ملتی ہے بلکہ اس کتاب ہدیٰ کی عظمت پھر نکھر کر فکر و نظر کے سامنے آجاتی ہے۔ مزید بر آں اس سے قرآن کے علوم و معارف اور دعوت و اسلوب کی معجزہ طرازیوں پر بھی تفصیل سے روشنی پڑتی ہے اس کتاب میں مولانا نے "زرکشی کی البرہان" اور "سیوطی" کی "الاتقان" کے ان تمام جواہر ریزوں کو اپنے مخصوص شگفتہ اور حکیمانہ انداز میں جمع کر دیا ہے۔ اور مستشرقین کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا تسلی بخش جواب بھی دیا ہے جو قلب و ذہن میں شکوک و شبہات ابھارنے کا موجب ہو سکتے ہیں۔ غرض اسے قرآنی فکر و تصوّر کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا کہنا چاہئے جس میں وہ ساری بحثیں اور مضامین سمٹ آئے ہیں جن کی دور حاضر کو ضرورت ہے۔'

"لسان القرآن" کی دو جلدیں آچکی ہیں تیسری مولانا مرتب کر رہے تھے کہ انہیں قرآن نازل کرنے والے کی طرف سے بلاوا آگیا۔ اور وہ اس دنیا سے منہ موڑ کر چل بسے..... اغلباً اس کی کل پانچ جلدیں ہوتیں۔ یہ کتاب درحقیقت قرآن کی ایسالغت ہے جسے مولانا حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کر رہے تھے ایسی لغت جس سے منشاء ربانی واضح ہو کر سامنے آئے۔ احقر نے خدام الدین کی اشاعت ۱۶ مارچ ۱۹۸۴ء میں اس کی پہلی جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

' مولانا چونکہ اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ عصر نبوت کے استحضار 'عربی زبان پر کامل عبور اور قرآن سے بدرجہ غایت محبت کے بغیر قرآن فہمی ممکن نہیں اس لئے وہ دل و دماغ کی تمام وسعتوں کے ساتھ اس میدان میں اترے ہیں 'انہوں نے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو کھنگالا اور پوری طرح عربی پر عبور حاصل کیا اور بالآخر قرآن سے اپنی محبت کا ثبوت اس طرح دیا کہ بس اب اسی کے ہو کر رہ گئے وہ اس بات کو قطعی تسلیم نہیں کرتے کہ ایک شخص چند تراجم کو سامنے رکھ کر یا مستشرقین کی تصریحات پڑھ کر فاضل قرآن ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن سے پہلے غیر قرآنی صنم خانوں کو یکسر مٹائیں اور اس کلام الٰہی کے اتھاہ سمندر میں اس طرح غوطہ زنی کریں کہ آپ کی روح میں وہ رچ بس جائے تب قرآن اپنے خزانے آپ پر وا کرے گا۔'

اس کتاب کی ہنوز دو جلدیں ہی سامنے آسکی ہیں 'جیسا کہ عرض کیا تیسری جلد مولانا مرتب کر رہے تھے

کہ انہیں بلاوا آ گیا اور یوں یہ جلد نامکمل رہ گئی..... ادارہ ثقافت اسلامیہ جس کے آخری وقت میں مولانا ڈپٹی ڈائریکٹر تھے اور جس میں انہوں نے اپنی عمرِ عزیز کا بڑا حصہ گزار کر ٹھوس علمی کام کیا اس پر وہاں مولانا کے اہل خانہ کی دیکھ بھال کا اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے' وہاں اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ مولانا کے ان ادھورے علمی کاموں کی تکمیل کا اہتمام کرے..... یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ مولوی مدن والی بات شاید نہ ہو سکے لیکن ایک بنیاد سامنے موجود ہے اس کی روشنی میں کسی درجہ میں کام ضرور ممکن ہے اس طرح یہ علمی کام مکمل ہو جائے گا اور ادارہ کی نیک نامی کا باعث بنے گا۔

مولانا کی تصانیف میں ایک کتاب "مطالعۂ حدیث" ہے۔ درحقیقت مطالعۂ قرآن کی طرح' حدیث کے متعلق بنیادی اور اہم مسائل اس کتاب کا موضوع ہیں۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بہت کچھ نکلا حضرات صحابہ کرام نے اسے محفوظ کر کے آئندہ نسلوں تک پہنچایا..... تاہم مختلف طبقات نے رسول محترم سے اُمّت کی عقیدت و محبت کا سہارا لے کر جھوٹی اور غلط احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ اصل ذخیرہ میں شامل کر کے اپنے باطل اور غلط نظریات کو اُمّت کے حلق سے اتارنا چاہا..... حضرات محدثین کرام نے صحیح اور غلط کی تمیز کر کے مجموعوں کو الگ الگ مرتب کیا انہوں نے جہاں صحیح مجموعے قوم کو ورثہ میں دیئے اسی طرح انہوں نے جعلی روایات کو مجموعوں میں جمع کر دیا تاکہ ایک جویائے حق کے سامنے سارا ذخیرہ رہے..... آئندہ چل کر دین دشمن افراد بالخصوص مستشرقین نے انہی حوالوں کا سہارا لے کر حدیث کے متعلق غلط فہمیاں پھیلانا شروع کیں اور ان کے "مشرقی شاگردوں" نے ان کے اگلے ہوئے نوالے نگلنے کی سعی کر کے اپنے ہی گھر کو پھونکنے کا تماشا شروع کر دیا..... ان حالات میں ایک صائب الفکر انسان کے لئے قلم اٹھانا جتنا مشکل ہے اس سے ہر ذی شعور واقف ہے۔ حدود کا لحاظ کر کے ہر چیز کی اصلیت لوگوں تک پہنچانا پل صراط پر چلنے کے مترادف ہے..... مولانا المحترم نے اس کتاب میں کامیابی کے ساتھ حدیث کی اصلیت سے متعارف کرایا تو حدیث کے نام پر دھوکے کی وارداتوں کی نشاندہی کی۔

"اساسیات اسلام" مولانا کے ذخیرہ کتب کی اہم کتاب ہے' اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے اسلام عقائد و اعمال کے مجموعے کا نام ہے اس میں عقائد کا حصہ بہت ہی نازک اور مشکل ہے اللہ تعالیٰ کے وجود باوجود اور ان کے اختیارات کاملہ اور وحدانیت کا مسئلہ ہو' یا انبیاء و رسل کی ضرورت' ان کی عصمت' باری تعالیٰ سے ان کے خصوصی تعلق اور ان پر وحی کے نزول کا مسئلہ..... اسی طرح

ملائکہ، کتب، بعث بعد الموت اور تقدیر وغیرہ کے مسائل، سچی بات یہ ہے کہ ان مسائل پر اس انداز سے گفتگو کرنا کہ ان کا ٹھیک ٹھیک تعارف ہو جائے اور انسانی ذہن میں ان کی حقیقت اتر جائے..... بڑا ہی کٹھن کام ہے..... علم الکلام کے نام سے ایک پورا فن اس کے لئے مدون ہوا اور خیر القرون کے دور سے اب تک اس پر خامہ فرسائی کی گئی۔ آج کا دور جدید فلسفے اور اکتشافات کا دور ہے لوگ اس صدی کو علم کی صدی کہتے ہیں کہ حضرت انسان چاند پر پہنچنے کے دعوے کر رہا ہے اور آسمان سے ستارے توڑ لانے کی فکر میں ہے لیکن اس کے فکر و نظر کے پیمانوں کا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ چین اور روس جیسی مملکتوں کے تاجداروں کو رب العزت کے وجود کا انکار ہے تو ہندوستان جیسے بھاری بھرکم ملک کے تاجدار گائے کے پیشاب کو ہی نسخہ شفا قرار دیتے ہیں..... امریکی صدر ان تمام تر قہرمانیوں کے باوجود اب بھی "ایک میں تین اور تین میں ایک" کے چکر کا شکار ہے، اس سے ہی اندازا ہو سکتا ہے کہ آسمان پر کمندیں ڈالنے والے انسان کی ذہنی سطح کتنی پست ہے اور وہ کتنی بے چارگی کا شکار ہے ان حالات میں جدید ذہن کی الجھنوں کو سامنے رکھ کر ان اعتقادی مسائل پر قلم اٹھانا ہر کسی کا کام نہیں قدرت مخصوص کاموں کے لئے مخصوص سطح کے لوگ پیدا کرتی ہے..... مولانا ندوی ان ہی نابغہ افراد میں سے ہیں جنہوں نے اس کتاب میں ان نازک اور پیچیدہ گتھیوں کو اس طرح سلجھایا ہے کہ کسی کے قلب وسیع پر تالے اور مہریں نہ ہوں تو ان حقائق کا ادراک مشکل نہیں۔

"مسئلہ اجتہاد" ان کی ایک اہم کتاب ہے دیکھنے میں چھوٹی سی لیکن معنی کی وسعت کے اعتبار سے بہت بڑی..... گویا فارسی محاورہ کے مطابق "بقامت کہتر بقیمت بہتر" کا مصداق! اجتہاد کا سلسلہ دور رسالت سے جاری ہے اور اسے اصولاً صبح قیامت تک جاری رہنا ہے کیونکہ اس کا مقصد جدید الجھنوں کے حل کی سعی و تدبیر ہے۔ انسانیت اس وقت دوش ہوا پر واقعی سوار ہے اور اس نسبت سے اُمّت مسلمہ کو بڑے چیلنج درپیش ہیں مجتہدانہ بصیرت کے حامل لوگ ان گھاٹیوں کو سر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے راستہ کی مشکلات آسان فرما دیتے ہیں کہ ان کا وعدہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اجتہاد کے مسئلہ میں افراط و تفریط کی گرم بازاری ہے۔ ایک طبقہ قدیم ذخیروں کو ہی ہر درد کی دوا سمجھتا ہے اور یہ خیال نہیں کرتا کہ قدیم ذخیرے بلاشبہ بڑے مقدس ہیں اور ان کے مدوّن کرنے والے فی الواقعی ہمارے محسن تھے لیکن جو حالات ان کے دور میں نہ تھے ان کا حل ان کے ذخیروں میں کہاں ہو گا؟

ایک طبقہ ہر بوالہوس کے لئے حسن پرستی کو شعار بنانے کی اجازت دے کر واجبی سی عربی پڑھے ہوئے پروفیسر کو مجتہد کا مقام دے دیتا ہے.......... اس کی بھونڈی ترین مثال ہمارے ایک دانشور کے وہ مضمون ہیں جو بعض قومی اخبارات میں طمطراق سے شائع ہو رہے ہیں۔ جن میں مرحوم علامہ اقبال کو اجتہاد سے بھی آگے تجدید کے مقام پر فائز کیا جارہا ہے۔

مرحوم اقبال کی شاعرانہ عظمت مسلّم، لیکن اجتہاد و تجدید کی دنیا ایسی نہیں جس پر ہر کسی کو فائز کیا جا سکے اس معاملہ میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، ابن تیمیہ، غزالی، شاہ ولی اللہ اور شیخ الہند محمود حسن (رحمہم اللہ تعالیٰ) جیسے لوگوں کا ہی نام لیا جاسکتا ہے۔ مولانا ندوی کا احسان ہے کہ انہوں نے افراط تفریط سے اپنے دامن کو بچا کر اس معاملہ میں صحیح صحیح رہنمائی کی۔ ہر دور میں اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا، اس کی حدود متعین کیں، یہ کام جو کر سکتے ہیں ان کا تعارف کرایا۔

ان اصولی اور بنیادی کتابوں کے علاوہ شخصیات کے حوالہ سے انہوں نے جو لکھا اس کی ایک الگ داستان ہے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ان کی سب سے زیادہ توجہ غزالی کی طرف ہے جس کی داستان عبرت کو موصوف نے اردو کا جامہ پہنا کر "سرگزشت غزالی" کا نام دیا اور اپنے ایک طویل مقدمہ سے اسے مزین کر کے راہ حق کے مسافروں کے لئے ایک "گائیڈ بک" فراہم کی۔ غزالی اپنے دور کے بڑے آدمی تھے ایک عظیم درس گاہ کے وائس چانسلر تھے فلسفہ و منطق اور کلام و بیان کی بحثیں ان کا مقصدِ زندگی تھیں۔ لیکن ان کی روح میں ایسے کانٹے پیوست تھے جو کسی پل چین نہ لینے دیتے، آخر انہوں نے مادیّت کے تمام طور طریقوں کو خیرباد کہا۔ شاہوں اور وزراء کی ہم نشینی ترک کی، پلازا نما بلڈنگوں کو خیرباد کہہ کر سنت نبوی کے مطابق سادگی و قناعت کی زندگی اختیار کی۔ معاشرے کے اونچے طبقوں کی بجائے ستم رسیدہ طبقات کو اپنی دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا فقہ کی درشتگی اور تصوّف کی آزاد دنیا کو حدود میں لا کر ان کے باہمی ملاپ کی تدبیر کی پھر غزالی "حجتہ الاسلام" قرار پائے اور ان کا نفع اتنا عام ہوا کہ آج صدیوں بعد ان کا سرمایہ علمی امّت کے لئے سرمایہ ہے۔

مولانا نے تعلیماتِ غزالی، افکارِ غزالی وغیرہ میں ایسے انداز سے غزالی کی تعلیم و افکار کا نچوڑ پیش کیا ہے، کہ جس کے مطالعہ سے روحانی سکون و بالیدگی میسر آتی ہے اور انسان نخوت و غرور کی دنیا سے نکل کر شریعت اسلامیہ کا پابند ہو جاتا ہے۔

آج کی مسلم دنیا کے کلامی اعتبار سے دو بڑے محسن ہیں امام ماتریدی اور امام اشعری۔ اشعری کامل

چالیس برس اعتزال اور جہمیت کے اندھیروں کا شکار رہ کر صراطِ مستقیم پر آئے تو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کی بخشی ہوئی بصیرت و فراست نیز ماضی کے تلخ تجربات کو سامنے رکھ کر کلامی مسائل میں امت کی رہنمائی کا فرض "مقالات الاسلامیین" کی شکل میں انجام دیا۔ مولانا المحترم نے اس وقیع علمی کتاب کو آسان اردو کا جامہ پہنا کر آج کے دور کی ضرورتوں کے مطابق بنا دیا۔ مولانا نے ترجمہ میں گھسا پٹا انداز بالکل اختیار نہیں کیا بلکہ ترجمانی و تفہیم کی وہ راہ اختیار کی ہے جو آج کے دور میں مفید ثابت ہو سکے۔

بعض کم ظرفوں کی طرح وہ چاہتے تو اس کتاب کو تصنیفی طور پر اپنی طرف منسوب کر سکتے تھے اور اچھا بھلا پڑھا لکھا قاری بھی اصل تک نہ پہنچ سکتا لیکن مرحوم نے جس چشمہ فیض سے اکتساب فیض کیا اس کا کھلے دل سے اعتراف کیا ان کے احسان کو تسلیم کیا اور اشعری کو سامنے رکھ کر ایک علمی ارمغان تیار کر دیا جس سے قدیم و جدید فتنہ سامانیوں کی جڑیں کھوکھلی ہو کر رہ جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ ہمارے قدیم علمی محسنوں میں امام ابن 'تیمیہ' ابن رشد اور شاہ ولی اللہ کی شخصیتیں بڑی محترم ہیں ان بزرگوں نے اپنے اپنے انداز سے بڑا وقیع کام کیا ہے۔ ابن تیمیہ علم کا بے کراں سمندر ہیں ایسا سمندر جس کی گہرائی نہیں۔ انہوں نے جوش جنوں میں عزیمت کی کٹھن راہ اختیار کی 'اپنے دور کے فتنہ پرور لوگوں کی تنقید کا تو شکار رہے ہیں 'اب تک بعض نابہجار ان کے متعلق گز بھر لمبی زبان استعمال کرتے ہیں۔ اپنی سوچ کے حوالہ سے ابن تیمیہ کو جیل یاترا کا موقعہ ملا اور اس طرح کہ انہوں نے جیل کی تاریک وادی میں علمی خزینے مرتب کئے اور کتنے ہی طلبہ کو اس عرصہ میں ان سے استفادہ کا موقع ملا۔ حتیٰ کہ ابن تیمیہ کا جنازہ جیل سے اٹھا 'لیکن وہ ایسا جنازہ تھا جس پر بادشاہ اور امرار شک کرتے تھے ابن رشد فلسفہ کے آدمی تھے 'مقصد ان کا یہ تھا کہ اہل باطل کے خلاف اس حوالہ سے دفاعی مورچہ قائم کیا جائے۔ مقصد اور نیت نیک ہو تو آدمی کو احترام نصیب ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ 'دور زوال میں پیدا ہوئے لیکن شبلی کے بقول سب پچھلوں کو مات دے گئے انہوں نے قرآن 'سنت' فقہ' کلام' تاریخ اور سبھی موضوعات پر قلم اٹھایا تین سو سال کے بعد بھی عرب و عجم کی یونیورسٹیوں میں ان کے نام اور کام کی گونج ہے..... برعظیم ہندو پاک تو گویا علمی طور پر شاہ صاحب کا مفتوحہ علاقہ ہے..... اس پورے خطہ کے سلیم الفطرت ارباب علم و بصیرت تو دل کی گہرائیوں سے شاہ صاحب کو اپنا جد امجد سمجھتے ہیں جبکہ کج فطرت بھی ان کی وجاہت علمی کے سامنے گنگ اور ان کا نام

احترام سے لینے پر مجبور ہیں۔ مولانا نے ان تینوں بزرگوں کے حوالے سے لکھا اور بہت خوب لکھا۔ شاہ ولی اللہ کے معاملہ میں میری درخواست پر انہوں نے فرمایا کہ بہت کچھ لکھنے کا عزم ہے کہ اس دور کے فاتح وہ ہیں اور انہی کی تعلیمات اپنا کر آج کے سیاسی اور معاشی مسائل کا حل ممکن ہے۔ پروگرام یہ تھا کہ "لسان القرآن" کی تکمیل کے بعد اس طرف توجہ ہوگی لیکن افسوس ع

آں قدح و آں ساقی نماند

دور حاضر کے عبقری دماغ انسانوں میں وہ مولانا ابوالکلام آزاد سے سب سے زیادہ متاثر اور ان کے مداح تھے۔ ان کے علم و فضل ہی کے نہیں ان کی سیاسی سوچ اور فکر کے بھی' محدود دنیا میں ایک عرصہ رہ کر خدمت کرنے والے ابوالکلام سے زیادہ انہیں اس ابوالکلام سے عقیدت تھی جو انسانیت کا نجات دہندہ بن کر افق پر ابھرا۔ اس کے ساتھ اس کی قوم نے وہی بدسلوکیاں کیں جو ابتدا ہی سے ایسے عظیم لوگوں کا مقدر رہیں لیکن مولانا کے بقول..... ابوالکلام کی عظمت کا راز اسی میں ہے کہ اس نے ہر تلخی برداشت کر کے بھی اپنے مقصد سے منہ نہ موڑا۔ ابوالکلام کے افکار پر جی جان سے نثار ہمارے کرم فرما ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری..... جن کا وقیع علمی ذخیرہ سال گذشتہ کے کراچی کے ہنگاموں میں نذر آتش ہو گیا' نے گذشتہ سال اس موقعہ پر مولانا سے ان کے کرایہ کے مکان میں احقر سمیت ملاقات کی جب مولانا اپنی علالت شدیدہ کے سبب دفتر نہ آ رہے تھے اور ان کی سعادت مند بچی انہیں برطانیہ لے جانے کی فکر میں تھی..... ڈاکٹر صاحب نے مولانا سے درخواست کی کہ ابوالکلام کے افکار میں آج کے دور کے مسائل کا حل ہے؟

یہ ایک سوچ ہے اور اس سوچ کو عملی جامہ آپ ہی کا قلم پہنا سکتا ہے..... مرحوم نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوالکلام کی تدبیر کارہی ہمارے دکھوں کا مداوا ہے آپ دعا کریں کہ صحت کی نعمت میسر آ جائے تو میں اس کام کو فرض سمجھ کر ادا کروں گا۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے بقول انسانی آرزوؤں کا یہ حال ہے کہ وہ بہت زیادہ اور طویل ہیں لیکن عمر اتنی ہی مختصر..... نتیجہ سامنے ہے کہ ع

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

مولانا المرحوم غیرت و خودداری اور استغنا و توکل کا مجسمہ تھے' انہوں نے خودی کے جھوٹے واعظوں کی طرح کبھی کسی آستانہ پر ہاتھ نہ پھیلایا۔ شدید علالت کے دور میں بھی ان سے ملاقات ہوتی تو ان کے چہرے پر سکون کی پرچھائیاں ہوتیں اور گفتگو میں وقار اور غیرت۔

اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کی بچی انہیں برطانیہ لے گئی۔ تشخیص ہوئی لیکن حالات ایسے نہ تھے کہ وہاں کے اخراجات کا تحمل ہو سکتا وہ واپس آ گئے اور ان دنوں یہاں بستر علالت نہیں بلکہ بستر مرگ پر رہے جب ہمارے صوبہ کے شریف وزیر اعلیٰ نہ معلوم کس کس فلم اسٹار اور گلو کارہ کے لئے ابر رحمت بن کر انہیں باہر علاج کو بھجوا رہے تھے لیکن ان کی نظر نہ پڑی تو اس درویش پر جو کوچہ علم کا مسافر ہی نہیں اس راستہ کا شہید تھا۔

انہی دنوں اس ادارہ کی "سیرت کیسٹ" کے حوالہ سے ایک تقریب ہوئی، جس کی لائبریری کو مولانا نے اپنے خون جگر سے سینچا، اس تقریب میں لاہور بھر کی اعلیٰ ترین شخصیات تھیں، بھڑکیلے لباس میں لاتعداد مستورات "سیرت رسول" کا عملی مظاہرہ کر رہی تھیں، ملک کا حاکم مہمان خصوصی تھا لیکن کسی نے خبر نہ لی کہ ادارہ کا ڈپٹی ڈائریکٹر کہاں ہے؟ اور اس مجلس سے غیر حاضر کیوں؟

اے کاش مولانا کا کوئی رفیق ادارہ ہی اس وقت حاکم ملک کے کان میں ڈالتا کہ سال دو سال قبل آپ نے اپنے وزیر تعلیم کے ذریعہ جس کو خراج تحسین پیش کیا تھا وہ بستر علالت پر ہے لیکن ایسا بھی نہ ہوا..... ہو جاتا تو مولانا کو باہر بھجوانے کا شاید نظم ہو جاتا، اس سے موت کی گھڑی نہ ٹلتی لیکن مولانا کے عزیز اور عقیدت مند ایک حسرت کا شکار تو نہ ہوتے۔

مولانا ایک زمانہ میں "اسلامی نظریاتی کونسل" کے رکن بھی رہے لیکن انہوں نے حاکموں کی خواہش کا نہیں اسلام کی روایات کا ہمیشہ لحاظ رکھا اور جب ملک میں شرعی عدالتوں کا شور گونجا تو مولانا محمد تقی اور پیر کرم شاہ کے ساتھ مولانا کا نام تھا۔ جس مذہبی جماعت سے مولانا کی واجبی سی نسبت تھی اس کے ایک نوجوان لیکن ابھرتے ہوئے لیڈر نے ضیاء الحق صاحب کو اپنی دوستی کے حوالہ سے باور کرایا کہ مولانا کا تو اسلام و ایمان بھی محل نظر ہے اور یہ کہ ہماری جماعت سے ان کا کیا تعلق؟

پھر وہی عزیز دفتر میں مولانا سے ملا دو گھنٹہ تک اپنی صفائیاں دیتا رہا کہ میں نے کوئی بات نہیں کی مولانا کا اس پر جو تبصرہ تھا وہ یہ تھا کہ "اسے کہتے ہیں دروغ بر روئے تو" اور فرمایا کہ مجھے اس کا قطعاً صدمہ نہیں بلکہ ایک طرح کی خوشی ہے کہ اس ماحول میں پھنسنے سے بچ گیا ورنہ خدمت علم کا مقدس فرض معرض خطر میں پڑ جاتا، چونکہ آپ کی وجہ سے میری دلچسپی کا سامان قائم رہا ہے اس لئے آپ تو میرے محسن ہیں۔ اور میں آپ کا شکر گذار ہوں۔

ایسے دیدہ بینا رکھنے والے بے غرض بے لوث اور خادم انسانیت و علم افراد اب کہاں پیدا ہوں

گے..... میرے قلب پر ان کی دنیا سے رخصتی کا اتنا اثر ہے کہ اس کا اظہار میرے لئے ممکن نہیں' میں کس سے اظہار تعزیت کروں' کہ میں خود مستحق تعزیت ہوں..... آج رونا اس بات کا ہے کہ پروانگان علم کی رخصتی کی لائن لگی ہوئی ہے دنیا سے عبقری دماغ اٹھ رہے ہیں' چھوٹے قد کاٹھ کے لوگ اس دنیا پر چھا رہے ہیں۔ یقیناً قیامت و محشر کی گھڑی قریب ہے کہ رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد یہی ہے کہ قیامت اچھوں پر نہیں بروں پر قائم ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مولانا کی روح کو تسکین نصیب فرمائے..... ان کی خطاؤں سے درگذر فرمائے ان کے اہل خانہ و متعلقین اور اہل عقیدت کو صبر و سکون کی دولت نصیب ہو..... آمین ثم آمین۔

بقیہ: رفتار کار

دن بھی فلائٹ کے انتظار میں گذرا اور ہم بجائے ۲۱ر جولائی کی شب کے ۲۳ر جولائی کو صبح ساڑھے سات بجے (قریباً ۳۴ گھنٹے کی تاخیر سے) روانہ ہوئے۔ واپسی پر چونکہ دبئی میں سٹاپ نہیں تھا لہٰذا دو گھنٹے کی بچت ہو گئی بارہ بجے دوپہر کراچی آمد ہوئی۔ محترم سید سراج الحق اور پی آئی اے کے دوست علوی صاحب ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ جمعہ کی شام اور رات گئے تک مختلف حضرات سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ اگلے روز یعنی ۲۵ر جولائی کو صبح ساڑھے آٹھ بجے کی فلائٹ سے لاہور پہنچ گئے..... اور پھر وہی سلسلہ روز و شب..... مبارک ہیں بندوں کی زندگی کے وہ لمحات جو اللہ کی توفیق سے اس کے دین کی خدمت میں صرف ہوں۔

☆☆☆

ماہنامہ "میثاق" کے اندرونِ پاکستان کے تمام سالانہ خریدار حضرات کے خریداری نمبر تبدیل ہو گئے ہیں۔ براہِ کرم اپنا نیا خریداری نمبر میثاق کے لفافے سے نوٹ کر لیجئے ——

حُسنِ انتخاب

طالب ہاشمی

مُعلّمِ قرآن، حضرت مُصعبؓ بن عمیر

①

عمیر بن ہاشم کے فرزند مصعبؓ صرف بنو عبدالدار کے جوانانِ رعنا ہی کی آبرو[1] نہیں تھے بلکہ فی الحقیقت سارے مکہ میں ان جیسا خوبرو، سجیلا اور خوش پوش نوجوان کوئی نہیں تھا۔ والدین کو اللہ تعالیٰ نے تمول اور آسودہ حالی کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ انھوں نے اپنے فرزند کو بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ مصعبؓ کی جوانی حسنِ صورت اور نظافت پسندی کا نہایت حسین امتزاج تھی۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ریشمی کپڑے پہنتے اور عمدہ سے عمدہ خوشبویات استعمال کرتے تھے۔ جس گلی سے گزرتے وہ گلی مہک جاتی تھی۔ ان کے ایک جوڑے کی قیمت دو دو سو درہم تک ہوتی تھی جو اس زمانے میں ایک خطیر رقم متصور ہوتی تھی۔ پاؤں میں زرہی حضرمی جوتا ہوتا تھا۔ میانہ قد کے یہ نرم و نازک نوجوان اپنے وقت کا بیشتر حصہ اپنی تزئین و آرائش اور خوبصورت زلفوں کو بنانے اور سنوارنے پر صرف کرتے تھے۔ لیکن اپنی خوبروئی اور خوش پوشی کے باوصف وہ نہایت پاکیزہ سیرت اور اخلاق کے حامل تھے۔ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو مصعبؓ کے پاک اور صاف دل و دماغ نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ پرستارانِ حق ان دنوں بڑے پُرصعوبت دور سے گزر رہے تھے۔ مشرکین نے اپنے ظلم و ستم سے توحید کے شیدائیوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند جاں نثاروں کے ہمراہ حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم

---

[1] حضرت مصعبؓ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

مصعبؓ بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصیٰ گویا پانچویں پشت میں ان کا شجرۂ نسب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔

کے مکان میں پناہ گزین تھے۔

اسی پُرآشوب زمانے میں نوجوان مصعبؓ ایک دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بادۂ ایمان سے مخمور ہو کر حضورؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرلی۔ اب وہ اکثر دربارِ رسالت میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبویؐ سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوتے تھے۔

(۲)

شروع شروع میں حضرت مصعبؓ نے اپنا اسلام گھر والوں سے پوشیدہ رکھا اس میں دو مصلحتیں تھیں ایک تو یہ کہ وہ اپنی مشفق ماں کو جو اُن سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی، آزردہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسری یہ کہ وہ اپنی ماں سے اتنی مالی مدد حاصل کرلیتے تھے جس سے وہ مظلوم دینی بھائیوں کی دست گیری کر سکتے تھے۔ لیکن عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ ایک دن کلید بردارِ کعبہ عثمان بن طلحہ نے (جو ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے) انہیں کہیں ربِّ واحد کی عبادت کرتے دیکھ لیا۔ انہوں نے فوراً ان کی والدہ اور دوسرے اہلِ خاندان سے جاکر کہا کہ:۔

"تم تو مصعب پر جان چھڑکتے ہو اور وہ محمدؐ کے دین کو آویزۂ گوش بنائے پھرتا ہے۔"

حضرت مصعبؓ کی ماں خناس بنتِ مالک اور دوسرے اہلِ خاندان پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ مصعبؓ سے ان کی والہانہ محبت، بے پناہ نفرت میں تبدیل ہوگئی۔ انہوں نے پہلے تو انہیں خوب زدوکوب کیا اور پھر رسیوں سے جکڑ کر قیدِ تنہائی میں ڈال دیا۔ مصعبؓ دینِ حق سے منہ موڑ کر پھر والدہ اور دوسرے عزیزوں کی محبت اور شفقت کا مرجع بن سکتے تھے لیکن بادۂ توحید نے انہیں کچھ ایسا مست کر دیا تھا کہ عیش و راحت سے محرومی اور قید و بند کی مصیبتیں خندہ پیشانی سے قبول کرلیں لیکن دینِ حق سے منہ موڑنا گوارا نہ کیا۔ کچھ عرصہ اسی طرح سے گزر گیا۔ ادھر کفار کا معاملہ مسلمانوں سے شدید تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستم رسیدہ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ بارہ مردوں اور چار خواتین کا مختصر سا قافلہ فی الفور ہجرت

کے لیے آمادہ ہوگیا۔ راہِ حق میں سب سے پہلے غریب الوطنی اختیار کرنے والے ان جاں نثارانِ اسلام میں حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی شامل تھے جو موقع پاکر اپنے زندانِ بلا سے بھاگ نکلے اور اس قافلہ کے ساتھ حبش جا پہنچے۔ ابھی ان مہاجرین الی اللہ کو حبش میں تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انہوں نے قریشِ مکہ کے مسلمان ہوجانے (یا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ترک کردینے) کی خبر سنی۔ علامہ ابن سعدؒ اور بلاذریؒ کا بیان ہے کہ یہ خبر سن کر سب مہاجرین مکہ کی طرف واپس ہوگئے۔ البتہ ابن اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ بعض مہاجرین وہیں ٹھہرے رہے۔ بہرصورت حضرت مصعبؓ ان اصحاب میں شامل تھے جنہوں نے مکہ کو مراجعت کی۔ شہر کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل بے بنیاد تھی۔ تاہم انہوں نے حبش کی طرف پلٹنا مناسب نہ سمجھا اور ان میں سے ہر ایک عمائدِ قریش میں سے کسی نہ کسی کی امان حاصل کرکے شہر میں داخل ہوگیا۔ حضرت مصعبؓ نے باختلافِ روایت نضر بن الحارث بن کلدہ یا ابوعزیز بن عمیر کی پناہ حاصل کی۔ حبشہ سے ان اصحاب کے مراجعت فرمانے کے بعد قریش کی ستم آرائیوں میں اور شدت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ حضورؐ نے پھر ہدایت فرمائی کہ جس مظلوم مسلمان سے بن پڑے وہ حبش ہی کی طرف ہجرت کرجائے۔ اب کی بار ۸۰ سے زیادہ مردوں اور ۱۹ یا ۲۰ خواتین نے حبش کی راہ لی۔ حضرت مصعبؓ اس قافلۂ حق میں بھی شامل تھے۔ اس مرتبہ ان کے بھائی ابوالروم بن عمیر نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ مشرکینِ قریش نے ان کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں لیکن یہ سب کسی نہ کسی طرح حبش پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ حضرت مصعبؓ ایک مدت تک حبش میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے اور پھر مکہ واپس تشریف لے آئے۔ ارباب سیر نے ان کے سالِ مراجعت کی تصریح نہیں کی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ مدینہ سے تین چار سال پہلے حبش سے مکہ واپس آئے اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ اپنے آقا و مولا کی خدمتِ اقدس میں گزارنے لگے۔[1]

---

[1] بعض ارباب سیر نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کی دوسری ہجرتِ حبشہ کا ذکر نہیں کیا لیکن ابن ہشامؒ نے ابن اسحاقؒ کے حوالہ سے دوسری ہجرتِ حبشہ کے مہاجرین کی فہرست میں حضرت مصعبؓ بن عمیر کا نام واضح طور پر درج کیا ہے

(۴)

حضرت مصعبؓ حبش سے اس حال میں مکّہ واپس آئے کہ غریب الوطنی نے ان کی رعنائی اور خوش پوشی کو خوابِ خیال بنا دیا تھا اب بوسیدہ اور موٹے جھوٹے کپڑے جن میں کئی پیوند لگے ہوتے تھے، ان کے زیبِ بدن ہوتے تھے۔ جسم کی نرم و نازک کھال موٹی اور کھردری ہوگئی تھی۔ چہرہ سُت گیا تھا اور رنگ برگِ خزاں رسیدہ کی طرح پیلا پڑ گیا تھا لیکن اس مردِ حق آگاہ کی شانِ استقامت و عزیمت میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا تھا۔ وہ اپنے آقا و مولا کی خدمت اور زہد و فقر کی زندگی کو عیش و تنعّم کی ہزار زندگیوں پر ترجیح دیتے تھے۔
حضرت مصعبؓ ایک دن دربارِ نبوّت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ ان کے جسم پر کوئی کپڑا ایسا نہ تھا جس میں پیوند نہ لگے ہوں اور پھر یہ کپڑے بھی سخت موٹے اور کھردرے تھے۔ سرورِ عالمؐ انہیں اس حالت میں دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔ ایک اور موقع پر وہ مجلسِ نبویؐ میں اس طرح حاضر ہوئے کہ ستر پوشی کے لیے معمولی کپڑا بھی میسّر نہ تھا جسم کو ایک کھال کے ٹکڑے سے باندھ رکھا تھا اور اس کھال میں بھی جابجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ ایک کپکپا دینے والا منظر تھا کہ جو جسم کبھی ریشم کے سوا کسی لباس سے آشنا نہ تھا آج وہ ایک بوسیدہ کھال میں ملبوس تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ راہِ حق کے اس نرالے مسافر کو اس "عجیب لباس" میں دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ حضورؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:۔

> "چند سال پہلے میں نے اس نوجوان کو دیکھا تھا کہ سارے مکّہ میں اس سے بڑھ کر نازد نعمت کا پروردہ، خوش رُو، خوش پوشاک، اور آسودہ حال کوئی نہیں تھا لیکن آج اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی محبت پر اس نے اپنے تمام عیش و آرام کو قربان کر دیا ہے اور حسنات سے شغف نے اس کو دنیوی لذات اور اسبابِ راحت سے بے نیاز کر دیا ہے۔"

حضرت مصعبؓ کے اسی جذبۂ ایثار اور اخلاص فی الدّین نے انہیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرجعِ شفقت بنا دیا تھا اور دربارِ رسالتؐ میں انہیں درجۂ اختصاص حاصل ہوگیا تھا۔

انہوں نے حضورؐ کی صحبتِ اطہر سے خوب فیض اٹھایا وہ بڑے ذوق و شوق سے ہادیٔ اکرمؐ سے دین کی تعلیم حاصل کرتے اور قرآن کی جو سورۃ نازل ہوتی اسے فوراً حفظ کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد وہ ایک عالمِ دین اور فقیہ سمجھے جانے لگے۔ حضورؐ نے تبلیغ و دعوت کے لیے جن صحابہ کرامؓ کو بطورِ خاص تربیت دی حضرت مصعبؓ بھی ان میں سے ایک تھے۔

(۴)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا برسوں سے معمول تھا کہ ایامِ حج میں زائرینِ حرم کے مختلف قبائل کے پاس جا کر انہیں دعوتِ توحید دیتے تھے لیکن مشرکینِ قریش اپنے مخالفانہ ہتھکنڈوں سے ان لوگوں کو حق کی طرف مائل نہ ہونے دیتے تھے۔ سنہ نبوت کے موسمِ حج میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب صورت پیدا کی۔ حضورؐ تبلیغ کرتے کرتے چند ایسے خیموں کے پاس پہنچ گئے جن میں یثرب سے آئے ہوئے کچھ سعید الفطرت لوگ قیام پذیر تھے۔ یہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی تھے۔ یہ لوگ یہود کے قرب اور بعض دوسرے عوامل کی بدولت "نبی آخر الزمان" اور "دینِ ابراہیم" کے نام سے کلیتہً ناآشنا نہیں تھے۔ حضورؐ نے جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عظمت بیان کی تو وہ بہت متاثر ہوئے اس کے بعد جب آپؐ نے قرآنِ کریم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی تو ان کے دل بالکل ہی پگھل گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا، "واللہ یہ تو وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ ہر وقت یہود کی زبان پر ہے، دیکھنا یہود کہیں ہم سے قبولِ حق میں سبقت نہ لے جائیں۔" یہ کہہ کر سب اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ خزرج کی ان خوش بخت ہستیوں کا قبولِ اسلام گویا انصار میں صبحِ سعادت کا طلوع تھا۔ اللہ کے یہ مقدس بندے جب دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر یثرب واپس گئے تو انہوں نے وہاں تندہی سے دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دی اور چراغ سے چراغ جلنے لگا۔ چنانچہ اگلے سال سنہ ۱۱ نبوت میں بارہ مسلمان (دس خزرجی اور دو اوسی) سرورِ کونینؐ کی زیارت کے لیے مکہ پہنچے۔ حضورؐ کو ان کے آنے کا حال معلوم ہوا تو آپ ایک رات ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے بڑھ کر حضورؐ کے قدم لیے اور آپؐ کی بیعت سے مشرف

ہوئے۔ واپسی کے وقت ان اصحاب نے حضورؐ سے التجا کی کہ انہیں قرآن پڑھانے اور دین کی باتیں سکھانے کے لیے ایک معلّم عطا کریں۔ حضورؐ نے اس اہم کام کے لیے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو منتخب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ تبلیغ حق اور مسلمانوں کی تنظیم و تعلیم کے لیے یثرب چلے جائیں۔ ایثار و خلوص کا یہ پیکر جمیل اپنے آقا و مولا کا حکم پاتے ہی کسی عذر اور تامل کے بغیر اسلام کا پہلا داعی بن کر فوراً یثرب روانہ ہوگیا۔

⑤

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے یثرب میں اپنی ذمہ داریوں کو نہایت احسن طریقہ سے نباہا۔ ان کی سادگی، پاکبازی، انکسار، شیریں مقالی اور بلند اخلاقی نے چپکے چپکے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا شروع کر دیا۔ ان کا معمول تھا کہ اپنی قیام گاہ (حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے مکان) پر لوگوں کو بلاتے اور انہیں دین کی باتوں کی تعلیم دیتے۔ اس کے علاوہ وہ اکثر اوس اور خزرج کے مختلف محلوں اور گھروں کا چکر لگاتے اور لوگوں کو ایسے بلیغ اور احسن انداز میں اسلام کی دعوت دیتے کہ وہ لامحالہ اس سے متاثر ہو جاتے تھے۔ ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ادھر اُدھر جاتے وقت کندھے پر کمبل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لٹکا لیتے تھے جو اگلی طرف سے ببول کے کانٹوں سے اٹکا ہوتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ لوگوں کی توجہ اور التفات کا مرکز بن گئے اور ان کی تبلیغی مساعی سے اہل یثرب جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ ان میں اوس اور خزرج کے بڑے بڑے رؤسا بھی شامل تھے۔ اوس میں سے حضرت سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر الکتائب اور خزرج میں سے حضرت سعدؓ بن عبادہ، ابوایوبؓ انصاری، اور سعدؓ بن ربیع جیسے ذی اثر اصحاب کے قبول اسلام سے یثرب میں اسلام کو بڑی وسعت حاصل ہوئی۔ دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ حضرت مصعبؓ مسلمانانِ یثرب کی تنظیم اور تعلیم سے بھی غافل نہ رہے۔ ایک طرف تو انہوں نے سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے (حضرت سعدؓ بن خثیمہ کے مکان پر) باجماعت نماز جمعہ کی بنا ڈالی اور دوسری طرف نومسلم انصار کو بڑی محنت سے دینی تعلیم دی اس طرح چند ماہ کے اندر اندر یثرب کی گلی گلی اور کوچے کوچے میں

خدائے واحد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہونے لگا۔

اگلے سال ۱۳ سنہ نبوت میں دین حق کا یہ کامیاب داعی تہتر مردوں اور دو عورتوں کو ساتھ لے کر حج کے لیے مکہ پہنچا۔ حضرت مصعبؓ کو نہ اپنا گھر یاد آیا اور نہ والدین، سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے قیام مدینہ کے تمام حالات و واقعات کی تفصیل سنائی۔ حضورؐ سن کر بہت مسرور ہوئے اور انہیں دعائے خیر دی۔ حضرت مصعبؓ کے پاک نفس ہمراہی ان کی تبلیغ سے اتنے متاثر تھے کہ وہ جلد از جلد حضورؐ کے شربت دیدار سے اپنی پیاس بجھانا چاہتے تھے لیکن سارا مکہ علمبرداران حق کا جانی دشمن بنا ہوا تھا اس لیے احتیاط لازم تھی۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں حضورؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور سب کو اپنی بیعت سے مشرف فرمایا۔

حضرت مصعبؓ کی ماں کو جب بیٹے کے آنے کی خبر ہوئی تو اس نے انہیں بلا بھیجا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں بے حد لعنت ملامت کی اور رو رو کر ان سے کہا کہ بیٹے اس نئے دین کو چھوڑ دو تاکہ تمہارے لیے میری آغوش محبت پھر وا ہو جائے

حضرت مصعبؓ نے جواب دیا۔ "ماں میں نے اللہ کے پسندیدہ دین کو برضا و رغبت قبول کیا ہے، اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔" اب ماں دھمکیوں پر اتر آئی اور کہا کہ تمہارا علاج وہی ہے جو تمہارے حبش جانے سے پہلے کیا گیا تھا۔

حضرت مصعبؓ نے بھی جرأت کے ساتھ جواب دیا:۔

"ماں! کیا تو مجھے زبردستی میرے دین سے پھیر سکتی ہے، یاد رکھ اگر اب کسی نے مجھے ایذا دینے کا ارادہ کیا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔"

اب اُن کی ماں بے بس ہو کر بے تحاشا رونے لگی۔ حضرت مصعبؓ نے اسے نہایت نرمی سے سمجھایا۔ "ماں از راہ خیر خواہی تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آؤ، تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔"

لیکن کفر و شرک ماں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا:۔

"کواکب درخشندہ کی قسم میں ہرگز تیرا دین قبول نہیں کروں گی۔ بجا میری آنکھوں

سے دور ہو جا۔"

حضرت مصعبؓ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں واپس آ گئے اور ان کے پچھتر ساتھیوں نے یثرب کو معاودت کی۔ ان نفوسِ قدسی نے بیعت کے وقت یہ عہد کیا تھا کہ اگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شہر کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازیں تو وہ حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کی اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ مدد اور حفاظت کریں گے۔ چنانچہ ان کے واپس جانے کے بعد حضورؐ نے صحابہؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اپنے آقا و مولا کا ایما پا کر ستم رسیدہ مسلمانوں نے اس نئے دارالامن کی طرف ہجرت کا آغاز کر دیا اور دو تین ماہ کے اندر اندر ان کی ایک معقول تعداد مدینہ پہنچ گئی۔ ان میں حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی شامل تھے۔ انھوں نے سرورِ عالمؐ کی ہجرت سے صرف بارہ دن پہلے ارضِ مکہ کو الوداع کہا اور مدینہ پہنچ کر سید الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ کے ہاں قیام کیا۔ چند دن بعد سرورِ کونینؐ بھی ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے اور مسلمانوں کی مدنی زندگی کا آغاز ہو گیا۔

(۶)

ہجرت کے بعد ابتدائی پانچ مہینوں میں انصار کے گھر مہاجرین کے لیے مہمان خانۂ عام تھے لیکن یہ زندگی اور صورتِ حال منظم نہ تھی اس لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی پرورش اور کفالت کے لیے ایک سہل مگر مستقل اور منظم طریقِ کار کی ضرورت محسوس فرمائی چنانچہ ہجرت کے پانچ ماہ بعد آپؐ نے حضرت انسؓ بن مالک کے وسیع مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور ان کے مابین عقدِ مؤاخاۃ قائم فرمایا۔ آپؐ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو بلاتے اور ان سے مخاطب ہو کر فرماتے۔ "آج سے تم دونوں بھائی بھائی ہو۔" اس مبارک مجلس میں حضرت مصعبؓ بن عمیر کا رشتۂ مؤاخاۃ میزبانِ رسول حضرت ابو ایوب انصاریؓ رئیسِ بنو نجار سے قائم کیا گیا۔

ہجرت کے بعد بھی حضرت مصعبؓ برابر دعوت و تبلیغ اور وعظ و تذکیر میں مشغول رہے ـــــ ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر کے موقع پر وہ ان تین سو تیرہ نفوسِ قدسی

میں سے ایک تھے جنھوں نے اپنی استقامت و عزیمت اور اخلاص و ایثار کے انمٹ نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے اور جنھیں "اصحابِ بدر" کا عظیم الشان لقب مرحمت ہوا۔ حق و باطل کے اس معرکۂ اول میں انھیں یہ خصوصی شرف بھی حاصل ہوا کہ سرورِ عالمؐ نے انھیں مہاجرین کا سب سے بڑا علم عنایت فرمایا۔

۳ھ ہجری میں جنگ اُحد پیش آئی تو اس میں بھی حضورؐ نے علمبرداری کا شرف حضرت مصعبؓ کو عطا فرمایا۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی تو اس وقت مسلمانوں کے تین گروہ ہوگئے۔

ایک گروہ نے کہا۔ "رسول اللہ کے بعد لڑنے سے کیا حاصل؟" اور یہ کہہ کر مدینہ کی طرف چل دیا۔

دوسرے گروہ نے کہا۔ "حضورؐ کے بعد جینے سے کیا حاصل؟" اور یہ کہہ کر حصولِ شہادت کی خاطر مردانہ وار لشکرِ کفار میں گھس گیا۔

تیسرا گروہ وہ تھا جو حضور کے گرد حصار بنا کر حفاظت کر رہا تھا۔ یہ صرف چودہ جانبازوں پر مشتمل تھا۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر شہادت کے جویا ثابت قدم مجاہدین کے دوسرے گروہ میں شامل تھے۔ ان کا سینہ علمِ دین کا مخزن تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سنی تو زبان پر بے اختیار یہ آیت جاری ہوگئی:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ	اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں [1]

(سورہ آلِ عمران)

اس کے ساتھ ہی انھوں نے بلند آواز سے نعرہ لگایا:۔

"میں رسول اللہ کا علم سرنگوں نہیں ہونے دوں گا۔"

---

[1] علامہ شبلیؒ نے سیرۃ النبیؐ میں لکھا ہے کہ "مصعبؓ صورت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ کہہ کر ایک ہاتھ میں شمشیرِ برہنہ اور دوسرے میں علَم لیے کفار پر ٹوٹ پڑے۔ مشرکین کے مشہور شہسوار ابنِ قمیئہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا اور ان کا داہنا ہاتھ شہید کر ڈالا۔ حضرت مصعبؓ نے فوراً بائیں ہاتھ میں علَم تھام لیا۔ ابنِ قمیئہ نے دوسرا ہاتھ بھی شہید کر دیا۔ انھوں نے کٹے ہوئے بازوؤں کا حلقہ بنا کر علَم کو سینے سے چمٹا لیا۔ گویا تہیّہ کر رکھا تھا کہ جب تک سانس میں سانس ہے پرچمِ اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیں گے۔ بدبخت ابنِ قمیئہ نے اب جھنجھلا کر ان پر نیزے کا ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کی انی ٹوٹ کر حضرت مصعبؓ کے علم و عشق سے معمور مقدس سینے میں رہ گئی اور وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ جونہی وہ گرے ان کے بھائی ابوالرومؓ بن عمیر نے آگے بڑھ کر علَم سنبھال لیا اور لڑائی ختم ہونے تک اس کو تھامے ہوئے حقِ شجاعت ادا کرتے رہے۔ جنگ کے بعد اس علَم کو سرنگوں کیے بغیر مدینہ لائے۔

جب قریش میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے اور مسلمان اپنے شہداء کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ مکّہ کے جوانِ رعنا مصعبؓ چہرہ کے بل گرے ہوئے خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت سے سخت صدمہ پہنچا۔ آپؐ اس پیکرِ علم و عمل کی لاش کے قریب کھڑے ہو گئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ صلے وَمَا بَدَّلُوْا
تَبْدِيْلًا ؕ

"مومنین میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے سچ کر دکھایا۔ بعض ان میں اپنی مدت پوری کر چکے ہیں اور بعض ابھی انتظار کر رہے ہیں اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔" [۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے مشابہ تھے وہ شہید ہوئے تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضورؐ شہید ہو گئے۔ ہم نے جو صورتِ واقعہ بیان کی ہے وہ طبقات ابنِ سعد سے ماخوذ ہے۔ [۱] صحیح بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ ۶۹ پر)

اس کے بعد آپؐ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا :-

"میں نے مکہ میں تمہارے جیسا حسین اور خوش لباس اور کوئی نہ دیکھا تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال گرد آلود اور الجھے ہوئے ہیں اور تمہارے جسم پر صرف ایک چادر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگے۔"

پھر آپؐ نے حضرت مصعبؓ کی تکفین کا حکم دیا۔ اس شہیدِ راہِ حق کی چادر اتنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) روایت ہے کہ یہ آیت ان کے چچا حضرت انسؓ بن نضر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت انسؓ بن نضر کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ خاندان بنو نجار کے رؤسا میں سے تھے اور رشتہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پردادی سلمیٰ کے بھتیجے ہوتے تھے۔ بیعت عقبۂ ثانیہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوۂ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہوسکے! اس کا دلی صدمہ تھا۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی "یارسول اللہ افسوس کہ میں غزوۂ بدر میں شریک ہونے سے رہ گیا اگر اللہ نے مجھے مہلت دی تو دنیا دیکھے گی کہ آئندہ میں کیا کرتا ہوں۔"

غزوۂ احد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ حضورؐ کی شہادت کی خبر سن کر مسلمانوں میں سراسیمگی پھیلی تو حضرت انسؓ آگے بڑھے۔ راستے میں حضرت سعدؓ بن معاذ سے ملاقات ہوئی تو کہا۔ "سعد کہاں جاتے ہو۔ خدا کی قسم مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔" یہ کہہ کر شمشیر بدست کفار کے مجمع میں گھس گئے اور زخم پر زخم کھاتے اس وقت تک لڑتے رہے جب تک زندگی نے ساتھ دیا۔ سارا جسم زخموں سے چھلنی ہوگیا تھا اور لاش پہچانی نہ جاتی تھی ان کی بہن ربیعؓ بنت نضر نے ہاتھ کی انگلی سے پہچانا۔ جسم پر تیر، نیزے اور تلوار کے اسی۸۰ زخم تھے۔

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری پھوپھی۔ ربیع بنت نضر کے ہاتھ سے ایک انصاری لڑکی کا دانت ٹوٹ گیا۔ اس کے لواحقین نے قصاص کا دعویٰ کیا اور حضورؐ نے قصاص کا حکم صادر فرمادیا۔ انسؓ بن نضر کو خبر ملی تو تڑپ اٹھے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی "یارسول اللہ خدا کی قسم ربیع کا دانت نہ توڑا جائے گا۔" حضورؐ نے فرمایا "اللہ کا یہی حکم ہے۔" خدا کا کرنا لڑکی کے ورثاء

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چھوٹی تھی کہ اس سے سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں مستور کیے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔ بالآخر حضورؐ نے فرمایا کہ سر چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں کو "اذخر" گھاس سے چھپا کر اس شہیدِ حق کو سپردِ خاک کر دو۔ صحابہؓ نے حکم کی تعمیل کی اور یوں وہ پیکرِ صدق و صفا دنیائے ظاہر بین کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را
بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

حضرت مصعبؓ کی شادی مشہور صحابیہ حضرت حمنہؓ بنتِ جحش (سرورِ عالمؐ کی پھوپھی زاد بہن) سے ہوئی تھی، ان سے ایک خورد سال بچی زینب اپنی یادگار چھوڑی۔

(۷)

حضرت مصعبؓ بن عمیر کا شمار اجلّ صحابہ میں ہوتا ہے۔ انھوں نے عین جوانی کے عالم میں عیش و تنعم کی زندگی یکایک محض اللہ کے لیے ترک کر دی اور راہِ حق میں ایسے ایسے مصائب جھیلے کہ اُن کا حال پڑھ کر جھرجھری آ جاتی ہے۔ حضرت مصعبؓ کی عسرت و مصیبت کو دیکھ کر نہ صرف اصحاب کرامؓ بلکہ فخرِ موجودات حضورؐ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ لیکن خود حضرت مصعبؓ کے صبر و شکر اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت ہشاش بشاش رہتے تھے اور لذّاتِ دنیوی کو یکسر فراموش کر دیا تھا۔

حضرت مصعبؓ سابقون اولون کے اس مقدّس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں راہِ حق میں تین ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ مدینہ منورہ میں ان کی تبلیغی مساعی کے جو نتائج برآمد ہوئے وہ تاریخِ اسلام کا ایک روشن باب ہیں۔ علم و فضل کے اعتبار سے ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ بعض صحابہ کو ان پر رشک آتا تھا۔ میدانِ احد میں ان کی تکفین جس طریقے سے ہوئی وہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کے لیے مدت العمر مایۂ عبرت بنی رہی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دیت لینے پر راضی ہو گئے اور ربیع کا دانت بچ گیا۔ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا کہ خدا کے بعض بندے ایسے ہیں کہ جب قسم کھاتے ہیں تو خدا ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے سامنے (پُرتکلف) کھانا آیا تو ان کو ابتدائے اسلام کا زمانہ یاد آگیا۔ بولے۔ "مصعبؓ بن عمیر مجھ سے بہتر تھے وہ شہید ہوئے اور ایک چادر کے سوا ان کو کفن میسر نہ ہوا..... ہمیں شاید دنیا ہی میں سب نعمتیں دے دی گئیں۔" یہ کہہ کر رونے لگے اور کھانا چھوڑ دیا کئی اور روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جب کبھی حضرت مصعبؓ کا ذکر آجاتا تھا تو وہ چشم پُرآب ہو جاتے تھے اور ان کی زبان سے اس مردِ حق کے لیے سلام اور مغفرت کی دعا نکلتی تھی۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

خالص اجزا — بہتر شربت

جامِ شیریں

خالص، پُرتاثیر، فرحت بخش

قرشی کے مشروبات

جامِ شیریں، صندل، الائچی، بزوری اورنج ڈرنک

آپ کا نبض شناس

قرشی

رفتارِ کار

رُودادِ سفر

امیرِ تنظیم کا حالیہ دورۂ امریکہ

جولائی ۸۷ء کا بیشتر حصہ امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے قیم تنظیم برائے بیرونی ممالک، جناب قمر سعید قریشی صاحب کے ساتھ امریکہ میں گذارا۔ اس دورے کی مختصر روداد قمر سعید صاحب کی زبانی نذر قارئین ہے...... (ادارہ)

انکل سام کا وطن اور ہماری نئی نسل کے خوابوں کی جنت...... امریکہ...... سات آٹھ سال پہلے تک امیر تنظیم اسلامی کے لئے بھی ایسا ہی اجنبی دیس تھا جیسا ہم میں سے اکثر کے لئے آج تک ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تاریخ پرانی نہیں، چند ہی صدیاں گذری ہیں کہ کرہ ارض پر اس کی موجودگی دریافت ہوئی اور پھر یورپ سے بھگوڑوں کے قافلے جن میں دیوالیہ کاروباری، مفرور ملزم، معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگ اور جرائم پیشہ خاندان زیادہ اور مہم جو کم تھے، اس وسیع و عریض براعظم کا رخ کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان نووارد لوگوں نے جن میں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے اور یورپ کے کونے کونے کی تہذیب و ثقافت کی نمائندگی کرنے والے شامل تھے "ریڈ انڈینز" کی مختصر مقامی آبادی کو ٹھکانے لگا کر اپنے دوسرے ہم وطنوں کے لئے راستہ صاف کر دیا اور یوں دنیا کے نقشے پر ایک نئی قوم کا ایک نیا وطن وجود میں آیا۔ پھر یہ بات بھی پرانی نہیں کہ حقوق انسانی اور حریت و مساوات کی یہ سب سے بڑی علمبردار قوم غلامی کی بدترین شکل کی موجد بنی۔ افریقہ سے انہوں نے انسانوں کے ریوڑ ہانک کر عظیم دخانی جہازوں میں پابہ زنجیر کئے اور اپنے نئے وطن کی نوک پلک سنوارنے کے لئے افرادی قوت کا یہ ظالمانہ انتظام سالہا سال وہاں رائج رہا۔ اب لوہے کی وہ زنجیریں تو متروک ہو گئی ہیں لیکن وہاں کی خوش حالی اور متاع دنیا کی افراط کا سنہرا جال آج بھی دنیا بھر سے ذہین و فطین اور امنگ وولولے سے سرشار لوگوں کو مسلسل زیر دام لا رہا ہے۔ برصغیر پاک و ہند بھی اس سے بچا نہ رہ

سکا۔ یہاں سے جوہر قابل کچے دھاگے سے بندھا اس طرف کو کھنچتا چلا گیا۔ پچھلے چالیس سالوں سے یہ عمل جاری و ساری ہے لیکن ایک مرحلے پر اسے ایسی مہمیز لگی کہ باید و شاید۔ سقوط حیدر آباد دکن کے بعد ہند کے مثالی گہوارہ علم و فن یعنی عثمانیہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے بالخصوص اور بھارت کی جامعات سے قابل قدر فنی ڈگریاں حاصل کرنے والے مسلمانوں نے بالعموم جب اپنے لئے ترقی اور کسب معاش کے دروازے یکے بعد دیگرے بند ہوتے دیکھے تو..... "ملک خدا تنگ نیست۔ پائے گدا لنگ نیست" ..... کہتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں سے اکثر تو براہ راست اس نئی دنیا میں آ نکلے اور کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے قسمت آزمانے اور ملک خداداد کو اپنی صلاحیتوں سے نوازنے کے لئے پہلے پاکستان کا رخ کیا لیکن یہاں بھی حالات ساز گار نہ پائے تو جادہ پیمائی پھر ان کا بھی مقدر ٹھہری۔

یوں ایک ایک کر کے لاکھوں ہندوستانی اور پاکستانی مسلمان امریکہ جا پہنچے اور وہیں کے ہو رہے۔ بہت سے تو اپنا تشخص کھو کر خواہی نخواہی اسی تہذیب و تمدن کا حصہ بن چکے ہیں لیکن ہمارے ایسے بھائیوں کی بھی وہاں کمی نہیں جنہیں اپنی ذات سے زیادہ اگلی نسل کی فکر ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ مادہ پرستی کی اس چکا چوند میں ان کی اولادیں گم ہو کر رہ جائیں۔ حیلوں بہانوں سے وہ اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو یاد دلانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ۔

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کی نظر کو خوگر محسوسات بنا کر ہی تو امتحان میں ڈالا ہے۔ طالب آخرت مسلمانوں کے لئے وہاں کا ماحول روز بروز مسموم تر ہوتا جا رہا ہے تاہم آزادی و خوشحالی کے اسیر اللہ کے ان بندوں کی بے بسی دیدنی ہے کہ جائے ماندن تو بہت دلکش و دلفریب ہے لیکن پائے رفتن میں سونے کی بھاری زنجیر پڑ چکی ہے۔ مشکل یہ بھی تو ہے کہ ڈالر آج تک کھرا ہے۔ "زر کم عیار" نہیں ہوا۔ دور کی بات نہیں کہ سوا چار روپے کا ہوتا تھا اب ساڑھے سترہ کا ہے.....

امریکہ میں آباد یا مقیم پاکستانی اور بھارتی مسلمانوں کی عظیم اکثریت اپنے اپنے میدان میں اعلیٰ ترین تعلیمی قابلیت یا فنی مہارت کے حامل لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں دین کے نام پر برطانیہ کی طرح فرقہ وارانہ مذہبیت نے رواج نہیں پایا بلکہ سنجیدہ فکر اور عمدہ مزاج نے فروغ پایا ہے۔ مقامی طور پر

بھی وقتاً فوقتاً مختلف تنظیمیں علمی اور سماجی سطح پر دین کا کام کرتی رہی ہیں اور باہر سے بھی ایسے ہی لوگوں کی سوچ کو قبول عام حاصل ہوا جو اسلام کے پیغام کو دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنے کی صلاحیت سے نوازے گئے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی پچھلے سات آٹھ سالوں میں تقریباً ہر سال ایک بار (بلکہ ایک دفعہ تو سال میں دو چکر ہو گئے تھے) امریکہ اور کینیڈا کا دورہ کیا ہے۔ ان دوروں کے آغاز کی تقریب ہمارے قارئین بارہا پڑھ چکے ہیں لہٰذا تکرار کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس سال کی قابل ذکر بات یہ تھی کہ امیر محترم اپنے طور پر بھی اور تنظیم کے بزرگ رفقاء کے مشورے کے تحت بھی' یہ فیصلہ کئے بیٹھے تھے کہ وہاں وقت لگانا نتائج کے اعتبار سے چنداں سود مند نہیں رہا۔ ان کے انقلابی فکر کی تخم ریزی تو وہاں ہو چکی ہے۔ اب وہ لوگ خود دوسروں کو جگانے کا کام کریں جو اس اذان کو سن کر خود فراموشی کے خواب سے بیدار ہو چکے ہیں۔ امیر محترم کی محنت نے متعدد ساتھیوں کے دلوں میں ایمان کی جوت جگائی ہے اور ان میں سے بعض نے دین کے لئے ایثار و قربانی کی منفرد مثالیں بھی قائم کیں۔ چند ایک تو "دور درشن" سے غیر مطمئن ہو کر بوریا بستر لپیٹ واپس پاکستان آ گئے کہ قافلے میں شریک ہو کر اس کی انقلابی جدوجہد میں عملاً شریک ہوں۔ لیکن یہاں آئے تو دنیا ہی بدلی ہوئی پائی۔ پندرہ بیس سال یا زائد امریکہ یا کینیڈا میں رہنے کے بعد وہ یہ بھول چکے تھے کہ معمول کے کام کرانے کے لئے بھی خوشامد' سفارش اور رشوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں یاد نہ رہا تھا کہ دروغ گوئی' دھوکے اور سوانگ کے بغیر اپنا حق حاصل کرنا تو کجا اسے محفوظ رکھنا بھی ناممکن ہے' وہ فراموش کر بیٹھے تھے کہ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت یہاں خود کی جاتی ہے' حکومت پر تکیہ کرنا فاش غلطی ہے۔ انہیں یہ وہم بھی لاحق ہو گیا تھا کہ شرف انسانیت مشرق کے مسکینوں کا بھی حق ہے اور یہ مغالطہ بھی کہ غذا اور ادویہ میں ملاوٹ' باتوں میں بناوٹ' گلی کوچوں کی نجاست اور قلوب کی قساوت کو آزادی کی نعمت نے اب تک نیست و نابود کر دیا ہو گا۔ چنانچہ بے کسی اور لاچاری کی دیواروں سے سر ٹکرا کر انہیں واپس جاتے ہی بنی..... عادتیں خراب جو ہو چکی تھیں..... ایسے دوستوں کے جذبے اور خلوص نے امیر محترم کے لئے تو یقیناً توشہ آخرت فراہم کر دیا ہے لیکن تنظیم کی دعوت کو اس سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا جس کا اولین ہدف پاکستان اور اہل پاکستان ہیں۔ امریکہ میں ہمارے ساتھیوں کو یہ ساری بات معلوم تھی لہٰذا وہ تو صبر کئے بیٹھے تھے لیکن ایک اور سمت سے تقاضا آنا شروع ہوا اور باوجود کئی بار عذر پیش کرنے کے انہوں نے ایسا انداز اختیار کیا کہ ع

اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

آگے بڑھنے سے پہلے عرض کر دوں کہ قیم برائے بیرونی ممالک کے طور پر تقرری کے بعد پچھلے سال میں بھی دورہ امریکہ میں امیر محترم کے ہمرکاب تھا اور اس کے بعد سے میرا شمالی امریکہ میں رفقائے تنظیم اسلامی سے بذریعہ خط و کتابت بھی خاصا ہی جاندار رابطہ موجود تھا اور جیسا کہ عرض کیا چکا ہے' اسی پر اکتفا کا ارادہ تھا۔ اس رابطے سے پہلے کی صورت حال ہمارے کام کے اعتبار سے غیر تسلی بخش تھی بایں معنی کہ ہمارے اور ان ساتھیوں کے درمیان تعارف کا واحد ذریعہ امیر محترم کی ذات اور ان کی یادداشت تھی۔ امریکہ میں مختلف مقامات پر متعدد مجالس میں جہاں ہزاروں سامعین سے ان کا واسطہ پڑتا وہیں سینکڑوں ایسے ساتھیوں سے بھی تعارف ہو جاتا تھا جو آگے بڑھ کر قدم سے قدم ملانے کے خواہاں ہوتے۔ امریکہ کے قیام کے دوران تو امیر محترم کے ذہن میں ان کے نقوش تازہ رہتے لیکن پاکستان واپسی کے بعد انہیں یہاں کی دنیا ان کی یاد سے بیگانہ کر دیتی تھی۔ پھر حال یہ ہوتا کہ کسی کی صورت آنکھوں میں پھرتی ہے تو اس کا نام اور مقام نامعلوم اور کوئی نام یاد آتا ہے تو ذہن کی سکرین سے اس کی شکل معدوم۔ اس عمومی حالت سے استثنا معدودے چند رفقاء کو حاصل تھا جنہیں ؎

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کا مقام میسر ہے..... الحمدللہ کہ یہ خدمت ناچیز کے سپرد ہوئی کہ تعلق برقرار رہے اور بار بار تجدید کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ اسی باعث اس بار بھی مجھے امیر محترم کی معیت نصیب ہوئی۔

اس دورہ کی دعوت کئی ماہ قبل برادرم عمر احمد کی طرف سے موصول ہوئی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ "اسنا" یعنی اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے سالانہ کنونشن جو سانٹا کلارا کیلے فورنیا میں منعقد ہو رہا تھا' ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ضرور شرکت فرمائیں۔ ان سے معذرت کی گئی لیکن ادھر سے اصرار بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ رمضان المبارک میں ان کی طرف سے جو ذاتی نوعیت کا خط موصول ہوا اس میں حسن طلب کا وہ جادو تھا جسے بجا طور پر یہ حق پہنچتا تھا کہ سر چڑھ کے بولے۔ انہی دنوں ٹورنٹو (کینیڈا) میں تنظیم اسلامی کے امیر برادرم ڈاکٹر عبدالفتاح کی طرف سے کمک کی طلب بھی آ گئی۔ ان کی مقامی تنظیم نے امریکہ کے عظیم صنعتی شہر "ڈیٹرائٹ" میں ہماری دعوت کو پھیلانے کا اتنا کام کر لیا تھا کہ اب وہ ضروری سمجھتے تھے کہ امیر محترم کو زحمت دیں تاکہ ان کے کام کے اثرات کو مستحکم بنایا جا سکے۔ سو طوعاً

کر پاپروگرام بنایا گیا کہ معمول سے بہت کم وقت کا ایک مختصر دورہ ترتیب دے لیا جائے۔

آگے بڑھنے سے پہلے برادرم عمر احمد کا تعارف کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگرچہ پچھلے سفر امریکہ کی روداد میں ان کا ذکر آچکا ہے لیکن تجدید ملاقات کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے یہ بھائی بے وطن فلسطینی ہیں اور اب اردن میں آباد ہیں۔ بنیادی طور پر ان کا تعلق اخوان المسلمون سے ہے لیکن دین کے لئے تحریکی کام کسی طرف سے ہو رہا ہو' وہ بلا کسی تعصب کے ہراول دستے میں شامل ہوتے ہیں۔ ان دنوں کیلیفورنیا کی ایک مقامی یونیورسٹی میں الیکٹریکل انجینئرنگ میں ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔ نہایت ہی اعلیٰ کردار کے صالح اور سلجھے ہوئے نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان و عمل میں مزید ترقی دے۔ آمین۔

"اسنا" مقامی طور پر ہی نہیں بلکہ پورے شمالی امریکہ میں معروف عمل ہے۔ امریکہ اور کینیڈا میں جہاں جہاں پاکستان کی جماعت اسلامی اور دیار عرب کی اخوان المسلمون سے وابستہ لوگ موجود ہیں وہاں وہاں انہوں نے اس نام سے اپنے آپ کو منظم اور متحرک رکھا ہوا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک اس کا نام ایم۔ ایس۔ اے یعنی مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن تھا جس کی روح رواں اسلامی جمعیت طلباء اور اخوان کے طلباء تھے۔ بعد میں اسے وسعت دے کر "اسنا" کا نام دیا گیا۔ اس کا صدر دفتر ریاست انڈیانا پولس میں وسیع رقبے پر قائم اور سرگرم عمل ہے۔

۲۸ر جون کو امیر محترم اور راقم الحروف ساڑھے گیارہ بجے دن کی فلائٹ سے کراچی روانہ ہوئے برادرم واحد علی رضوی بھی مشاورت کے اجلاس سے فارغ ہو کر ساتھ ہو لئے تھے۔ کراچی ایئرپورٹ پر سراج الحق سید صاحب استقبال کے لئے موجود تھے' قیام بھی انہی کے مکان پر رہا جو ہوٹلوں کی اشتہاری زبان میں لاہور سے باہر امیر محترم کا دوسرا گھر ہے (آگے آگے اور کئی گھروں کا ذکر آئے گا) قریبی مسجد میں نماز عصر کے لئے گئے تو رفیق گرامی قاضی عبدالقادر صاحب بھی وہیں پہنچے ہوئے تھے۔ نماز مغرب کے بعد تاج محل ہوٹل کے آڈیٹوریم میں "شام الھدیٰ" کا پروگرام تھا جہاں امیر محترم نے "سیرت نبوی' آئینہ قرآنی میں" کے عنوان کے تحت خطاب کیا۔ ہال بھرا ہوا تھا اگرچہ ہجوم کی وہ سابقہ کیفیت دیکھنے میں نہ آئی جو اس پروگرام کا مستقل فیچر رہی ہے کہ سیڑھیاں تک بھر جاتی تھیں اور بلا مبالغہ تل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی تھی۔ ظاہر وجوہات دو تھیں' پروگرام کے انعقاد میں پچھلے کئی ماہ کی بے قاعدگی اور ملک کے غیر یقینی سے حالات کا اثر۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حیدر آباد سے جناب سرفراز احمد خان صاحب تشریف لائے ہوئے تھے اور برادرم عبدالقادر (امیر تنظیم اسلامی حیدر آباد) بھی۔

پروگرام پونے نو بجے سے گیارہ بجے شب تک چلتا رہا۔ نماز عشاء سے فارغ ہو کر گھر پہنچنے تک بارہ بج چکے تھے۔ اگلے روز (۲۹ر جون) دن بھر کراچی کے رفقاء کا تانتا بندھا رہا۔ بھائی عبدالواحد عاصم' قاضی عبدالقادر' عبدالخالق' طارق جمیل اور طارق امین رونق بزم رہے۔ رات کو ساڑھے گیارہ بجے طارق امین صاحب ہی ایئرپورٹ پہنچانے آئے جہاں پہنچنے تک تاریخ بدل چکی تھی۔ "چیک ان" اور چیکنگ کے مراحل سے گزر کر لاؤنج تک رسائی ہوئی۔ پی آئی اے کی پرواز پی کے ۷۰۳ نے ٹھیک وقت پر ۳۰ر جون کی صبح دو بج کر بیس منٹ پر اپنے پر کھولے اور دوبئی' قاہرہ اور پیرس رکتے ہوئے ہمیں اسی سہ پہر سوا چار بجے جے۔ ایف۔ کے ایئرپورٹ نیویارک جا اتارا۔ (یہ علیحدہ بات ہے کہ پاکستان میں اس وقت یکم جولائی کی صبح کاذب کا وقت تھا)۔ امیگریشن پر معمول سے زیادہ رش تھا۔ موسم گرما کی تعطیلات لوگوں کو دور و نزدیک سے کھینچ کر یہاں لے آتی ہیں لیکن بہرحال بشمول کسٹم متعلقہ امریکی عملے کی روایتی شائستگی اور مستعدی نے گرانی کا احساس نہ ہونے دیا۔ پھر بھی باہر نکلتے نکلتے ساڑھے پانچ بج گئے جبکہ ہمیں پانچ بجے اگلی فلائٹ پکڑنی تھی جو ظاہر ہے کہ "مس" ہو گئی۔ باہر برادرم الطاف احمد' رفیق تنظیم اسلامی موجود تھے جنہوں نے ہماری اگلی منزل کے میزبان برادرم ڈاکٹر خورشید ملک کو ایئرپورٹ سے ہی شکاگو فون پر ہماری "نارسائی" کی اطلاع دے دی تاکہ انہیں وہاں پریشانی نہ ہو اور ہمیں اپنے گھر (نہیں۔ نیویارک میں امیر محترم کے تیسرے گھر) لے گئے۔ دن کی غیر معمولی طوالت نے امیر محترم کے جسمانی نظام الاوقات کو درہم برہم کر دیا تھا جو اس گھر کے آرام و سکون نے بحال کیا۔ نماز مغرب کے بعد ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کا فون موصول ہو گیا کہ شکاگو کے لئے ۹ء۵۵ کی پرواز پکڑ لیں چنانچہ ہم پھر بھائی الطاف احمد کی گاڑی میں تھے جس نے گھنٹہ بھر کی مسافت طے کر کے ہمیں نیوارک ایئرپورٹ پہنچایا۔ ذرا سی تاخیر ہو جاتی تو ہم اس فلائٹ کو بھی نہ پکڑ سکتے۔ شکاگو ایئرپورٹ پر ڈاکٹر خورشید ملک اور سید پیر محمد نے ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن ڈاکٹر صاحب کے مخصوص امریکی انداز کے وسیع و عریض دولت خانے (شکاگو میں امیر محترم کے چوتھے گھر اور امریکہ میں ان کے اکلوتے "حجرے") تک پہنچنا لگ بھگ چالیس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہی ممکن تھا۔ حجرے میں وارد ہوئے تو رات کا ایک بج رہا تھا۔

یکم جولائی کی صبح ناشتے میں ڈاکٹر طور بھی شریک تھے۔ ناشتے سے فراغت کے بعد ہم نے ظہر تک آرام کیا جس سے تکان بڑی حد تک دور ہوئی اور ہم خود کو چاق چوبند محسوس کرنے لگے۔ ظہر کے بعد ڈاکٹر

عرفان ملاقات کے لئے تشریف لائے جو تحریک اسلامی کے مقامی حلقے سے وابستہ ہیں۔ کچھ دیر بعد عتیق صاحب بھی آ گئے اور پھر تنظیم اسلامی کے مقامی رفقاء جمع ہوتے گئے۔ نماز مغرب ڈاکٹر طور کے ہاں ادا کی۔ انہوں نے رات کے کھانے کا اہتمام بھی کیا تھا۔ پر تکلف ضیافت اور ان کی محبت پر اظہار سپاس کے بعد حجرے کو واپسی ہوئی۔ اگلے روز دن کا اول وقت یہیں آرام کیا اور دوپہر پونے دو بجے نارتھ ویسٹ ایئرلائنز کے ذریعے سان فرانسسکو کے لئے روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر طور بھی ہمراہ تھے۔ وہاں ایئرپورٹ پر برادرم سرودی نے استقبال کیا ان کے ساتھ جا کر سانٹا کلارا کی مسجد نور میں مغرب کی نماز ادا کی جہاں سال گزشتہ بھی امیر محترم نے درس قرآن دیا تھا۔ مسجد ہی میں مقامی احباب عمر احمد، پرویز چودھری اور حیاء اللہ صاحبان سے ملاقات بھی ہو گئی اور آئندہ پروگرام کی تفصیلات بھی طے پا گئیں۔ پچھلے سال کی طرح اس دفعہ بھی قیام سرودی صاحب کے ہاں ہی رہا۔ پروگرام کے مطابق امیر محترم کو پہلے تین دن "اسنا" کے کنونشن میں شرکت کرنا تھی۔

"اسنا" کی یہ تقریب اس سوسائٹی کی جنوبی ساحلی زون کی پانچویں گرمائی (سمر) کانفرنس تھی اور ڈسٹرکٹ سانٹا کلارا میں کیمپبل کمیونٹی سنٹر میں منعقد ہوئی۔ ایک وسیع قطعہ زمین پر واقع عمارات کو آراستہ کیا گیا تھا اور انتظامات ہر اعتبار سے مثالی تھے۔ پروگرام پورے "ویک اینڈ" یعنی جمعہ کی نماز سے اتوار کی شام تک پھیلے ہوئے تھے اور ہفتے اور اتوار کے روز صبح نو بجے سے عشاء تک (سوائے دوپہر کے کھانے اور نمازوں کے وقفے کے) مسلسل جاری رہے۔ کھانا شرکاء کے لئے واجبی قیمت پر اور مہمانوں کے لئے دعوت شیراز۔ خواتین کے علیحدہ اجلاس ہوئے، وقت کی کمی کے باعث محض ایک آدھ نشست مشترک رکھی گئی۔

کنونشن کا باقاعدہ آغاز جمعہ ۳ر جولائی کے خطبہ جمعہ سے ہی ہونا تھا جو امیر محترم کی ذمہ داری تھی۔ نماز جمعہ اجتماع گاہ کے ایک ہال میں ادا کی گئی جو حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ امیر محترم نے خطبہ جمعہ میں "حکمت و احکام جمعہ" کو بزبان انگریزی موضوع بنایا اور لگ بھگ ۳۵ منٹ خطاب کیا۔ سامعین بالخصوص عرب نوجوان ہمہ تن گوش رہے۔ ان کے لئے اس خطبہ میں بہت سی باتیں نئی تھیں۔ بہت سوں نے پہلی بار سنیں اور دل میں اترتی محسوس کیں۔ خواتین کے لئے علیحدہ باپردہ انتظام تھا۔ اسی روز امیر محترم کے حقیقی بھتیجے فاروق عامر ملنے کے لئے آ گئے جو ایک مقامی یونیورسٹی میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ۴ر جولائی کو نماز فجر مسجد نور ہی میں ادا کی بعد میں تقریباً ایک گھنٹہ ڈاکٹر ادریس صاحب

سے سوال وجواب کی نشست رہی ناشتہ سے قبل "اسنا" کے ایک مقامی عہدہ دار برادرم امتیاز احمد صاحب بھی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ آج کے سیشن میں ڈاکٹر صاحب کا پروگرام سہ پہر ساڑھے تین بجے تھا جس میں ڈاکٹر صاحب کے ذمہ ان کا معروف موضوع "قرآن مجید کے مسلمانوں پر حقوق" تھا۔ یہ خطاب بھی انگریزی زبان میں تھا۔ خطاب تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا۔ شرکاء نے نہایت توجہ سے سنا اور ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ مقرر کی سحر بیانی اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ حاضری دو اڑھائی سو تھی۔ یہیں پر "اسنا" کے موجودہ صدر ڈاکٹر احمد ذکی اور "نیٹ" یعنی نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ کے جنرل سیکرٹری سے بھی ملاقات ہوئی۔ ۵ر جولائی کو امیر محترم کا ڈاکٹر شیخ ادریس سوڈانی کے ہمراہ ایک پینل مذاکرے کا پروگرام تھا۔ مذاکرہ کا موضوع "حالات حاضرہ قرآن مجید کی روشنی میں" تھا۔ اس پروگرام کا افتتاح امیر محترم کی مختصر مگر جامع تقریر سے ہوا۔ بعد میں ڈاکٹر ادریس صاحب نے اس تبصرہ کے ساتھ تقریر سے اجتناب کیا کہ ڈاکٹر اسرار صاحب کے اتنے پر مغز اور جامع خطاب کے بعد ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا۔ اس پروگرام میں خواتین بھی شامل تھیں اور ان کی طرف سے دلچسپ سوالات آئے بیشتر سوالات امریکہ کے غیر مسلم ماحول میں رہائش سے متعلق تھے۔ زیادہ تر سوالات امیر محترم سے ہی کئے گئے تھے جن کے انہوں نے نہایت مدلل اور تسلی بخش جوابات دیئے۔ گفتگو میں تھوڑی سی نوک جھونک بھی ہوئی وہ اس طرح کہ ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر ادریس صاحب نے بڑی سخت بلکہ فتوے کی زبان استعمال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح کے معاشرہ میں دعوت کا کام کئے بغیر معاشرت حرام ہے تو امیر محترم نے یہ وضاحت ضروری سمجھی کہ کسی اسلامی ملک میں بھی اگر زندگی اقامت دین کی جدوجہد سے خالی ہے تو وہاں بھی زندگی اتنی ہی حرام ہے..... نماز مغرب کے ساتھ ہی کانفرنس اختتام کو پہنچی۔ لیکن کئی مقامی دوست ہماری رہائش گاہ پر تشریف لائے اور سوال وجواب کی نشست چلتی رہی۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اس دورہ کے محرک یہاں کے ایک مقامی دوست برادر عمر احمد بنے تھے جو "اسنا" کے علاوہ مقامی مسلم کمیونٹی سنٹر (ایم سی سی) کے بھی صدر ہیں اور ان کا پہلے ہی سے شدید تقاضا تھا کہ ہم کانفرنس میں شرکت کے بعد وہاں مزید ایک ہفتہ مسجد نور میں درس قرآن کے لئے رکیں۔ چنانچہ ۶ر جولائی کی شام سے ہی اس پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ پہلے درس کا موضوع "سورۃ الحدید" کی اولین نو آیات تھیں۔ یہ خطاب ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا۔ چونکہ "ویک اینڈ" نہ

تھالہٰذا خواتین کو شامل کر کے حاضری ایک سو کے لگ بھگ تھی۔ حاضرین بہت انہماک سے درس سن رہے تھے۔ خصوصاً عرب طلبہ جو باوجود اردو نہ سمجھنے کے گوش بر آواز تھے اس لئے کہ ڈاکٹر صاحب کے درس میں قرآن کریم کے مختلف مقامات سے آیات اور حوالہ جات کے لئے احادیث تو عربی زبان میں ہی تھیں جن سے وہ از خود مطلب پا رہے تھے۔ مزید برآں امیر محترم کی گفتگو میں انگریزی اصطلاحات کا استعمال بھی بکثرت ہوتا ہے۔ ۷ر جولائی کے پہلے پہر شمیم عثمانی صاحب کے ہمراہ سان فرانسسکو چلے گئے۔ موصوف کافی عرصہ سے وہاں مقیم اور اب سنجیدگی سے واپسی کے خواہش مند ہیں..... شام کا درس سورۃ الحدید کی آیات (۱۰ تا ۱۹) پر مشتمل تھا۔ درس نہایت پر مغز اور داعیانہ تھا۔ سامعین کی دلچسپی دیدنی تھی اگرچہ درس کچھ تاخیر سے اختتام کو پہنچا لیکن لوگ انہماک سے سنتے رہے اور تاخیر ہی کے سبب سے سوال وجواب کی نشست بھی ملتوی کرنی پڑی۔ ۸ر جولائی پورا دن گھر پر ہی گذرا۔ ان دنوں اتفاق سے "ایران کونٹرا" میں ملوث کرنل نارتھ کا بیان سینٹ کی ایک کمیٹی کے روبرو قلم بند ہو رہا تھا اور جس طرح کے کھلے ماحول میں وہاں ریاستی انتہائی خفیہ رازٹیلی ویژن پر براہ راست عوام کے سامنے آرہے تھے وہ کم از کم یہاں تو ناقابل تصور ہے۔ یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے کہ ع

رموز مملکت خویش خسرواں داند

اس روز سے باقی دروس بزبان انگریزی تھے۔ یہی سبب تھا کہ عرب شرکاء کی حاضری واضح طور پر بڑھی ہوئی تھی۔ درس کا موضوع "آیہ بر" تھا۔ شرکاء کے چہروں سے یہ تاثر واضح طور پر ابھر رہا تھا کہ نیکی کے اس جامع تصور سے وہ پہلی مرتبہ آشنا ہوئے ہیں۔ ۹ر جولائی کے درس کے دوران لاہور کے ایک نوجوان فہیم اکرم قاضی سے تعارف ہوا جو کہ میرے پرانے شناسا ریٹائرڈ ریلوے ٹیلی کیمونیکیشن انجینئر جناب محمد اکرم قاضی کے فرزند اور "میثاق" کے پرانے خریدار ہیں۔ فہیم قاضی صاحب یہاں سان فرانسسکو بے ایریا میں واقع سٹیفورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں جہاں وہ ٹیلی مواصلات میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ ان کے اصرار پر ہم پہلے پہر یونیورسٹی گئے جہاں گھنٹہ 'ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب چودہ 'پندرہ افراد سے سوال وجواب کی نشست رہی۔ یہیں پر ایک پاکستانی دوست کرنل گل فراز صاحب سے بھی تعارف ہوا۔ موصوف یہاں پٹرولیم انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ اور پاکستان آرمی میں نہایت شاندار مستقبل کے حامل تھے۔ سٹاف کالج میں ڈین کے عہدے پر متعین رہ چکے ہیں ہم ان کی سیاسی بصیرت اور معلومات عامہ سے بہت متاثر ہوئے۔ اس نشست کے بعد ایک سعودی بھائی فیصل کے ہاں دوپہر کا

کھانا طے تھا۔ چنانچہ ان کے ہاں پہنچے۔ اس دعوت میں برادر فیصل کی روایتی سعودی مہمان نوازی اور اخلاص و محبت کے علاوہ ایک منفرد بات یہ تھی کہ ہمارے علاوہ جو سات مدعوئین تھے وہ سات مختلف ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔ شام کے درس کا موضوع "سورۃ الحج" کی آخری دو آیات تھیں۔ حاضرین کی تعداد حسب سابق رہی۔

۱۰ر جولائی کو خطبہ جمعہ کا موضوع "سورۃ العصر" تھی خطاب بزبان انگریزی کیا گیا۔ یہ تقریر بحمداللہ بہت کامیاب رہی۔ دوسرے ڈسٹرکٹ سے بھی کافی لوگ آئے تھے اور مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ لوگوں کے سامنے ایمان، عمل صالح تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے تقاضے بڑے جامع انداز میں واضح ہوئے شام کے درس کا موضوع "امت مسلمہ کا ماضی حال اور مستقبل" تھا۔ یہ خطاب بھی انگریزی میں تھا۔ موضوع پر سیر حاصل گفتگو کے بعد ان لوگوں کو جو واقعی کچھ کرنے کی نیت رکھتے لیکن کچھ تحفظات ذہنی کے اسیر ہوں، قیام گاہ پر آنے کی کھلی دعوت دی گئی جہاں ہماری امید سے زیادہ لوگ تشریف لائے۔ یہ محفل تقریباً ڈیڑھ بجے شب تک جمی رہی ۱۱ر جولائی کو صبح صبح کرنل گل فراز صاحب تشریف لے آئے۔ دراصل انہوں نے جمعرات کو ہی باصرار وعدہ لے لیا تھا کہ ناشتہ ان کے ہاں کیا جائے۔ میں نے چونکہ کچھ دوستوں کو ملاقات کا وقت دے رکھا تھا لہٰذا میں تو شرکت نہ کر سکا البتہ امیر محترم ان کے ہاں ناشتے پر تشریف لے گئے..... دوپہر بارہ بجے دورہ کا آخری پروگرام تھا جس کا موضوع تھا "اسلام کا معاشی نظام" اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب نے کھل کر گفتگو کی۔ مادر پدر آزاد سرمایہ دارانہ نظام کی لعنت اور بنیادی انسانی قدروں تک کو پامال کر دینے والے سوشلزم کے درمیان اسلام کے عدل و قسط پر مبنی معاشی نظام کی خوبیاں واضح طور پر لوگوں کے سامنے آئیں۔

سانٹا کلارا میں قیام کا یہ ہمارا آخری دن تھا۔ نماز ظہر اول وقت ادا کر کے ایئرپورٹ کا رخ کیا۔ شکاگو کا ارادہ تھا۔ وہاں سے چلتے ہوئے ہم کرہ ارض کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے اپنے بھائیوں کی محبت کے نشے سے سرشار تھے جن میں کسی سے بھی ہمارا خون کا رشتہ نہیں، لسانی یگانگت بھی معدودے چند سے تھی ورنہ نسلی، علاقائی اور سیاسی فاصلے بظاہر ہمیں تقسیم ہی کرتے تھے۔ ہاں ایک درد کا رشتہ تھا۔ درد مشترک۔ دین حنیف کی "غربت" کا درد..... ایک آرزو کا ساجھا تھا۔ اللہ کے کلمے کو "ھی العلیا" دیکھنے کی آرزو..... ایک دھن میں حصہ داری تھی۔ فلاح اخروی اور رضائے الٰہی کے حصول کی دھن۔ انہوں نے

ہمیں سر آنکھوں پر بٹھایا تو اس لئے نہیں کہ ہم دنیوی وجاہت رکھتے یا کسی ہیئت مقتدرہ کے نمائندے تھے' ہم درویشوں سے انہیں کیا ملا۔ کونسا فائدہ حاصل ہوا۔ ہم نے انہیں رسیلے نغموں کی لوریاں نہیں اللہ تعالیٰ کی سخت وعیدیں سنائی تھیں۔ انذار کے کوڑے برسائے تھے۔ لذائذ دنیا سے کنارہ کر کے دین کے لئے ترک واختیار کی دعوت دی تھی..... اس کے باوجود انہوں نے دلوں کے دروازے ہمارے لئے وا کئے تو اسی بات سے مایوسی کے بیاباں میں کبھی کبھی امید کی کلیاں چٹکتی ہیں۔ یہاں کے قیام کے دوران مہمانی کے جو مزے ہم نے برادرم محمد علی سرودی کے ہاں لوٹے ان کا ذکر کئے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ انہوں نے ہمارے لئے پاکستان جانے کا اپنا پروگرام موخر کیا اور پھر جاتے ہوئے اپنا گھر ہمارے حوالے کر گئے۔ صرف گھر نہیں بلکہ میزبانی کے لئے اپنے بھانجے عزیزم رشید کو بھی۔ اس معذور نوجوان نے مہمانوں کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سننے کی صلاحیت سے تو محروم رکھا لیکن ذہانت میں کسر پوری کر دی ہے۔ باوجود اس معذوری کے عزیزی رشید نے گریجویشن کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اور دوسرے سب دوستوں کو دین اور دنیا کی حسنات سے نوازے۔

شکاگو ایئرپورٹ پر ڈاکٹر خورشید ملک پاکیزہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے حسب معمول ہمارے لئے بازو پھیلائے ہوئے تھے۔ خلوص ومحبت کا یہ پیکر روز اول سے امیر محترم اور ان کے رفقاء کا مستقل میزبان ہے۔ یورولوجی کا ماہر اور مصروف سرجن ہے لیکن اس کی پیشہ ورانہ مشغولیت امیر محترم کے قیام کے دوران ثانوی ہو جاتی ہے۔ لگ بھگ بیس سال امریکہ میں گذارنے کے باوجود ڈاکٹر صاحب اپنی شناخت سے ہاتھ دھونے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ امریکی شہریت حاصل کرنا ان کے لئے قطعاً کوئی مسئلہ نہیں لیکن وہ تا حال بہار سے تعلق کے ناتے بھارتی شہری ہیں۔ کبھی سوچا تو پاکستانی شہریت حاصل کرنے کا ضرور سوچا ہے اگرچہ یہاں کا حال دیکھ کر وہ ع

ارادہ باندھتا ہوں' سوچتا ہوں' توڑ دیتا ہوں

کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ شکاگو کے نواح میں ان کا وسیع' خوبصورت اور آراستہ وپیراستہ گھر امیر محترم اور ان کے متعلقین کو ہمیشہ اپنی آغوش راحت میں لینے کے لئے بے چین رہتا ہے..... اور شمالی امریکہ میں اسی گھر کو ہماری دعوت کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گھر کو شاد و آباد رکھے اور ڈاکٹر ملک کو جنت میں ہزار گنا بہتر ٹھکانہ عطا فرمائے۔

شکاگو میں ہماری مصروفیت کی نوعیت دعوتی سے زیادہ تنظیمی تھی۔ کام کا جائزہ لینا اور آئندہ کے لئے تدابیر اختیار کرنا وغیرہ ۱۲ر جولائی کو نماز فجر میں مقامی تنظیمی رفقاء اور دوسرے دوست تشریف لے آئے۔ مقامی تنظیمی اور انجمن خدام القرآن شکاگو کے معاملات پر گفتگو ہوتی رہی۔ شام کو مسلم کمیونٹی سنٹر شکاگو میں ڈاکٹر صاحب کا پروگرام بھی طے تھا۔ موضوع تھا "پاکستان کے موجودہ مسائل اور ان کا حل"۔ لوگوں نے اس پروگرام میں بھرپور شرکت کی اور گہری دلچسپی ظاہر کی۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب معروف معنوں میں سیاست دان نہیں ہیں لہٰذا ان کے بے لاگ تجزیہ نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ پروگرام میں حاضری سوا دو سو کے لگ بھگ تھی ۱۳ر جولائی کا دن تقریری مصروفیت سے خالی تھا جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف لوگ ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے۔ ۱۴ر جولائی کا سارا دن گھر پر ہی گزارا اور وہیں سہ پہر کی خبروں میں کراچی میں المناک دھماکوں کی خبر سننے میں آئی۔ شام کو بعد از نماز مغرب رفقائے تنظیم اسلامی شکاگو کا اجتماع بھی طے تھا جو رات گئے تک جاری رہا اس میں مختلف امور زیر بحث آئے ۱۵ر جولائی کی صبح ایک مقامی دوست عباس پرمانی کے ہمراہ ڈاؤن ٹاؤن یعنی قلب شہر گئے اور کھانا بھی انہی کے ہاں تناول کیا۔ بعد دوپہر مراجعت ہوئی۔ شام کو ہی انجمن خدام القرآن شکاگو کا سالانہ ڈنر بھی ایم سی سی میں طے تھا۔ حاضری مناسب تھی موقع کے لحاظ سے امیر محترم نے "حکمت قرآن" کے موضوع پر کوئی پچاس منٹ خطاب فرمایا اور انجمن کے اراکین کو ایک عزم نو کے تحت اس دعوت قرآنی کو شمالی امریکہ کی سطح پر منظم کرنے کی دعوت دی۔

۱۶ر جولائی سے گذشتہ شب ڈاکٹر عبدالفتاح صاحب سے فون پر گفتگو ہو گئی تھی اور وہ حسب پروگرام بدھ کی رات کو ہی ڈیٹرائٹ پہنچ چکے تھے۔ ہم بھی صبح ۹:۴۰ کی فلائٹ سے ڈیٹرائٹ روانہ ہو گئے۔ ڈیٹرائٹ ایئرپورٹ پر حیدر آباد دکن سے تعلق رکھنے والے دو مقامی حضرات سید محمد تقی اور جامعہ عثمانیہ (دکن) کے ایک ریٹائرڈ پروفیسر نصراللہ صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔ غالباً ڈاکٹر عبدالفتاح صاحب بھی تشریف لائے تھے لیکن کسی اور ٹرمینل پر چلے جانے کے سبب ملاقات نہ ہو سکی۔ چنانچہ ہم سید محمد تقی صاحب کے ہمراہ ڈیٹرائٹ میں اپنے میزبان ڈاکٹر رفیع اللہ انصاری صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دوپہر کو این آربر یونیورسٹی میں ڈاکٹر مستنصر میر سے بھی رابطہ ہو گیا اور وہ عصر کے وقت تشریف لے آئے۔ موصوف کا تعلق لاہور سے ہے۔ نہایت ذہین و فطین نوجوان ہیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے فارغ ہونے کے بعد سی ایس پی کاڈر میں بھی منتخب ہو گئے تھے لیکن انہوں نے تعلیم و تعلم

ہی کو ترجیح دی۔ اسی دوران قرآن کریم سے بھی رب العزت سے رغبت عطا فرمادی۔ مولانا اصلاحی صاحب سے موصوف نے کچھ عرصہ استفادہ کیا۔ بعد میں علوم اسلامیہ کی تحصیل کے سلسلہ میں این آربر یونیورسٹی سے اسلامک سٹڈیز میں پی ایچ ڈی کیا۔ ان کے مقالے کا عنوان "مولانا فراہی کا نظم قرآن" تھا۔ حال ہی میں ان کی ایک کتاب 'Coherence in Quran' منصّہ شہود پر آئی ہے اور یہی دراصل ملاقات کا ذریعہ بنی۔ شام کا کھانا ایک مقامی دوست جناب رشید لودھی صاحب کے ہاں طے تھا۔ چنانچہ ہم ڈاکٹر مستنصر صاحب کو بھی ہمراہ لے گئے۔ محفل خوب رہی ۱۷ر جولائی کو سہ روزہ پروگرام کا آغاز 'گریٹ ڈیٹرائٹ' کے اسلامک سنٹر میں طے تھا۔ یہاں بھی پہل خطبہ جمعہ سے ہوئی۔ یہاں بھی امیر محترم نے سورہ العصر کو موضوع بنایا۔ خطاب بزبان انگریزی تھا۔ تمام شرکاء نہایت توجہ اور دلچسپی سے سنتے رہے۔ خواتین کو شامل کر کے حاضری قریباً سوا دو سو کے لگ بھگ تھی۔ واضح رہے کہ اس پروگرام میں ٹورنٹو کی تنظیم کے بیشتر رفقاء مع اہل خانہ تشریف لائے تھے۔ مقامی خواتین کی بھی بھرپور شرکت تھی خورد و نوش کا اہتمام مرکز ہی میں کیا گیا تھا۔ ٹورنٹو کے رفقاء نے ڈاکٹر صاحب کی کتابوں اور آڈیو اور وڈیو کیسٹ کے مختلف عنوانات کے تحت سٹال بھی لگا رکھے تھے۔ یہ تین دن مرکز میں اتنی گہما گہمی رہی کہ میلے کا سماں بندھا ہوا تھا..... مغرب تا عشاء کی نشست کا موضوع "عظمت قرآن" تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن اور حدیث کے حوالہ جات سے قرآن کی عظمت اجاگر کی۔ حاضرین کے دلوں کو گرمایا اور انہیں ایک ولولہ تازہ دیا۔ اس نشست میں حاضری اڑھائی سو کے لگ بھگ تھی۔ ۱۸ر جولائی کو بہت ہی بھرپور پروگرام تھا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب کو قریباً چھ گھنٹے خطاب کرنا پڑا۔ وقت کی تقسیم کچھ اس طرح کی گئی کہ نماز ظہر کے بعد ڈیڑھ گھنٹے کے خطاب کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ بعد ازاں نماز عصر سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل ایک نشست ہوئی۔ عصر تا مغرب وقفہ رہا۔ مغرب تا عشا پھر ڈیڑھ گھنٹہ کی ایک نشست رہی۔ ان تمام نشستوں کا بنیادی موضوع "اقامت دین" تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنا نقطہ نظر نہایت مدلل انداز میں پیش کیا۔ نماز مغرب سے قبل طائف سے ڈاکٹر شجاعت علی برنی صاحب بھی تشریف لے آئے۔ ۱۹ر جولائی کو نماز فجر اجتماع گاہ ہی میں ادا کی گئی۔ بعد میں رفقائے تنظیم اسلامی ٹورنٹو سے تنظیمی امور پر گفتگو کا سلسلہ ناشتہ تک جاری رہا۔ دس بجے ان مقامی حضرات سے سوال و جواب کی نشست طے تھی جو اقامت دین کے کام میں ساتھ دینے کو تو تیار ہوں لیکن کچھ اشکالات رکھتے ہوں۔ یہ نشست قریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہی۔ جس کے نتیجہ میں نو (۹)

حضرات نے سیم میں شمولیت کے لئے امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اتنے ہی حضرات نے انجمن خدام القرآن کی سطح پر کام کرنے کا عزم کیا..... نماز ظہر کے بعد تقریر کا موضوع "جہاد" تھا۔ بعد میں عمومی سوال وجواب کی نشست ہوئی جو قریباً عصر تک جاری رہی۔ نماز کے فوراً بعد بذریعہ کار ہم ڈاکٹر شجاعت برنی اور ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کی معیت میں شکاگو روانہ ہوئے یہاں ہم اپنے معزز میزبان ڈاکٹر رفیع اللہ انصاری کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا نہ کریں تو کفران نعمت ہو گا۔ موصوف نے ہمارا ہر طرح سے خیال رکھا۔ پیشہ کے لحاظ سے ڈاکٹر اور ایک بہت ہی مصروف جنرل سرجن ہیں۔ اس کے باوجود نہایت حلیم الطبع اور منکسر المزاج شخص ہیں۔ حیدر آباد دکن کی روایتی وضعداری کا ایک نایاب نمونہ اور ع ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

کی عملی تفسیر باوجود پر تکلف خاطر تواضع سے ہمیں زیر بار کئے جانے کے تحمل اور تشکر کے جذبات کے تحت بوکھلائے سے پھرتے رہے۔

۲۰ر جولائی کا دن بھی مختلف حضرات سے ملاقات میں گذرا۔ اسی دوران میں تو کچھ دیر کے لئے سید پیر محمد کے ہمراہ ڈاؤن ٹاؤن چلا گیا جبکہ امیر محترم کی نشست سید عرفان احمد صاحب کے ساتھ رہی۔ ڈیٹرائٹ اور کیلیفورنیا کے درمیان سفر میں احساس ہوا کہ بحمد اللہ تنظیم کا تعارف خاصا ہو چکا ہے ایک ڈاکٹر ملے جن کے تھیلے میں تنظیم کی کتابیں تھیں جو وہ دوسرے لوگوں کو پڑھنے کے لئے پیش کر رہے تھے۔ بہت سے ٹیلی فون موصول ہوئے جن میں ڈاکٹر صاحب کو ان کے علاقے میں آنے کی پرزور دعوت تھی۔ اس موقع پر شدت سے احساس ہوا کہ ہمارے پاس افرادی قوت کا اثاثہ بڑا قلیل ہے جبکہ دولت ایمان کے متلاشی بے شمار ۲۱ر جولائی کی صبح کوئی دوست "خدا حافظ" کہنے کے لئے تشریف لاتے رہے۔ ان سے گفتگو کے دوران ہی نماز ظہر اور روانگی کا وقت آ پہنچا۔ لہٰذا ہم ۲ء۴۵ کی فلائٹ سے نیویارک کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور چھ بجے نیویارک کے جے ایف کے (جان ایف۔ کینیڈی) ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ یہاں سے رات دس بج کر ۴۵ منٹ پر پی آئی اے کی فلائٹ پی کے ۷۰۴ سے ہماری واپسی طے تھی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ متذکرہ بالا فلائٹ ابھی پیرس ہی میں رکی ہوئی ہے کچھ عرصہ اسی غیر یقینی کیفیت میں گذرا۔ بعد ازاں پی آئی اے کے مقامی منتظمین نے ہمیں چیک ان کر کے بورڈنگ کارڈ اس ہدایت کے ساتھ عطا فرما دیئے کہ وہ جہاز کی آمد پر ہمیں مطلع کر دیں گے۔ نیویارک میں برادرم الطاف احمد بھی ہمارے ساتھ منتظر رہے چنانچہ ہم ان کے ہمراہ ان کی قیام گاہ پر چلے گئے۔ اگلا

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

افکار و آراء

مراد آباد (بھارت) سے ایک مکتوب

حضرت محترم ڈاکٹر صاحب دام مجدھم

ماشاء اللہ، جماعتِ شیخ الہندؒ، مرتب فرما کر شائع فرمادی۔ جزاکم اللہ۔ اس ہزارے[1] میں اسلامی زندگی کے نظام کو چلانے کے لئے حضرت مجددؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، صاحبزادگان، شہیدینؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت میاں جیؒ، اور حضرت حاجی صاحبؒ کے ذریعے حق تعالیٰ نے حضرت شیخ الہندؒ کو عطا فرمایا۔ ان کے ذریعے جو کام لینا تھا اس میں مولانا ابوالکلامؒ کا بڑا حصہ ہے۔ بعض علماء کرام کے اختلاف کی بنا پر حضرت شیخ الہندؒ نے، جو مولانا ابوالکلامؒ کو امام الہند کے منصب پر لگانا چاہتے تھے، خاموشی اختیار فرمائی۔ مالٹا کی تنہائیوں سے وہی باتیں لاتے تھے۔ افتراقِ ملت کو دور کرنا اور درسِ قرآن کا سلسلہ بڑوں اور بچوں میں چلانا۔ مولانا آزادؒ نے اس کام کو زندگی بھر کیا۔ افتراق کے سلسلے میں مسلم لیگ کی گالیاں، علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء کے پتھر، جناح صاحب کی طرف سے شو بوائے کا خطاب، سب کو جھیلتے رہے۔ تقسیم کے بعد جب شیخ عبداللہ دلی حاضر ہوئے تو مولانا نے اُن سے فرمایا تھا کہ تمہیں تو جناح صاحب کے پاس جانا چاہیئے تھا۔ جب عرب ملکوں کے دورے سے واپسی پر کراچی ٹھہرے تو جناح صاحب کی قبر پر بھی حاضری دی۔ تقسیم کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی جسے اغیار تہس نہس کرنا چاہتے تھے اُسے بچایا۔ جامعہ ملیہ کے ہیرو ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کا رُخ اُس پر لگایا جہاں سے اُنہیں بیسویں صدی کے مردِ مومن محمد علی جوہرؒ کے ساتھ نکلنا پڑا تھا۔ وزارت کے دور میں جب طلباء علی گڑھ نے اپنے فقروں کی چوٹ ماری تو اُسے جھیلا اور معاف کیا۔ تقسیم کے بعد امام الہند کے فرائض کو انجام دیتے رہے۔ دلی کی جامع مسجد میں محبوس بیس ہزار بچوں اور عورتوں کے لئے چوہدری عبدالستار سالارِ احرار کے ساتھ سرکاری گودام سے دال چاول ڈھو

---

[1] مراد ہے اُمت مسلمہ کی تاریخ کا دوسرا ہزار سالہ دور (الف ثانی)!

کر لائے اور انہیں فاقوں کی موت سے بچایا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، مہاجر مدینہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، شیخ طریقت حضرت اقدس رائے پوری، حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ حضرت مجاہد اسلام مولانا حفظ الرحمٰنؒ، مولانا احمد سعیدؒ، مولانا محمد میاںؒ۔ شیخ الاسلام مولانا محمد یوسفؒ، نواب محمود علی خان ایسے حضرات کے قافلے کو لے کر ملتِ ہندیہ کی بقا و سلامتی کی راہ نکالتے رہے۔

مولانا آزاد نے ۱۹۲۰ء میں مراد آباد خلافت کانفرنس میں مکی زندگی کا عدم تشدد کا فارمولا گاندھی جی کو عطا فرمایا۔ تقسیم کے وقت گرونگ کا فارمولا برطانوی وفد کو عطا فرمایا۔ قرآن پاک کی خدمت کی کہانی مشہور خطاط منشی عبدالقیوم مراد آبادی سنایا کرتے تھے۔ کتابت و طباعت کا کام انہوں نے ہی انجام دیا تھا۔ پہلا ایڈیشن مدینہ پریس بجنور اور دوسرا لاہور میں طبع ہوا۔ زندگی بھر کی رفیق اہلیہ محترمہ کے آخری سانسوں میں احمد نگر قلعے کی قید سے چھٹی لے کر انگریزوں سے نکلنا برداشت نہیں کیا۔ وہ غم اُن کی زندگی کا ایک زخم بن گیا تھا۔

'انڈیا ونز فریڈم' لکھنے میں بھی اُسی منصب کو انجام دیا۔ پٹیل، پرشوتم داس ہی نہیں، گاندھی جی اور جواہر لال نہرو کو بھی نہیں بخشا۔ مجلس احرار کی تشکیل کی اور کشمیر کے بکاؤ مال کو قادیانیت سے بچانے میں احرار کا بڑا حصہ ہے۔ جب شیخ عبداللہ نے ڈیوٹی لے لی تو احرار نے اپنا کوئی حق نہیں مانگا۔ یہ سب امام الہند کی ڈیوٹی اور منصب ہی کو انجام دیتے رہے۔ اور وہ خفیہ تحریر جواب تیس سال ہونے پر شائع ہوگی شیخ الہندؒ کے امام الہندؒ کو چار چاند لگائے گی۔ ان شاءَ اللہ۔

حضرت شیخ الہندؒ کی ہڈیاں جس غم میں گھلیں، جس کا اظہار جامعہ ملیہ کی بنیاد رکھنے والے خطبے میں فرمایا تھا، اُس میں اپنے درد کا علاج اسکولوں، کالجوں سے پانے کی زیادہ اُمید کا اظہار فرمایا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جس ڈیوٹی کو انجام دے رہے ہیں اُس میں شیخ الہندؒ کی گھلنے والی ہڈیاں کارفرما ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی 'حجۃ اللہ البالغہ' کا ایک ارشاد ارسال خدمت ہے اگر مناسب سمجھیں تو میثاق یا حکمتِ قرآن میں دے دیجئے گا۔ خدا کرے 'جماعت

شیخ الہندؒ کی زیارت مجھے نصیب ہو جائے ۔ اگر ہو سکے تو منصور احمد مرحوم کی کتاب "انسانوں کے نام اسلام کا پیغام" مجھے ارسال فرمادیں ۔ اسکی تلخیص کر کے ہندی میں شائع کراؤں تاکہ ظالموں کے لئے حجت بن سکے ۔

اس وقت ضرورت ہے کہ عالم اسلام کا ہر فرد اپنے گناہوں سے توبہ کر کے خدا سے رحم کی درخواست کرے ۔ طالب دعا ،

(فتح احمد فریدی دھرام آباد ۔ بھارت)

عدل و انصاف کا مُطالبہ

شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

خود غرض انسانوں کی اغراض پرستی جب اجتماعی شکل اختیار کر کے ملک کے امن و امان، باشندگانِ مُلک کے اطمینان، آزاد کاروبار، خوشحالی، آزادیٔ رائے وغیرہ حقوقِ انسانیت اور حقوقِ شہریت پر ڈاکہ ڈالنے لگے تو جبیرہ دست، ظالم و جابر طاقت کا ختم کر دینا حق و صداقت کا تقاضہ اور عدل و انصاف کا مطالبہ ہو گا ۔ کیونکہ یہ جبیرہ دست، ظالم و جابر طاقت سارے انسانوں (نوع انسان) کے لئے بالخصوص اس ملک کے نظام کے لئے جو ایک جسم کی حیثیت رکھتا ہے سرطان جیسا مرض ہے ایسی درد سری میں ایک ہمدردِ انسانیت کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اس کا اپریشن کر دیا جائے، ورنہ سارا ملک موت کے گھاٹ اُتر جائے گا ۔ لہٰذا ہر ایک حق پرست کا اخلاقی اور مذہبی فرض ہو گا کہ اس سرطان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے جان کی بازی لگا دے ۔

(حُجّۃ اللہ البالغۃ ص ۱۵۷ ج ۲)

(۲)

"عمل، وعظ کا ثمر ہوتا ہے"

جہیز توڑ ایسوسی ایشن پاکستان

HELP FIGHT DOWRY

DOWRY STOP ASSOCIATION PAKISTAN

Chief Organizer:
ZAHID SAEED GULL

Secretary: M. MANZOOR AHMAD
Jordan

Moazzam Colony Sialkot Road
GUJRANWALA • (Pakistan)
Phone No.

Ref. No. 003/dsa/MM/J

Dated 31st July 1987

واجب الاحترام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

امید کرتا ہوں بفضل تعالیٰ بخیریت ہوں گے۔ آپ نے اپنے گھر میں شادیاں جس اسلامی طریقے سے کیں، اولاد کو اور عوام کو جس سادہ طریقے پر گامزن کیا۔ ایسوسی ایشن کو اس پر فخر ہے۔ یقیناً آپ ایک باعمل عالم ہیں جس کی نظیر نہیں ملتی۔ باتوں کے محل تو ہر کوئی بنالیتا ہے عمل وعظ کا ثمر ہوتا ہے۔ جہیز توڑ ایسوسی ایشن اپنی اولاد کی سادہ اور اسلامی طریقے پر شادیاں کرنے پر آپ کو خراج تحسین پیش کرتی ہے۔

آپ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ عوام کو بھولے نہیں کہ "کچھ لوگ کمر ہمت کس لیں اور اللہ کی تائید و توفیق کی امید کے سہارے شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات و لوازمات کے طومار کے "اصر" اور "اغلال" کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں"۔ ہم اٹھ کھڑے ہیں۔ ہمیں وقت کے ساتھ ساتھ دینی و دیگر امور پر رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ہمیں آپ اور آپ جیسے دیگر علماء کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ سے ہر ممکن تعاون کی امید کرتے ہیں۔ مع تحیات و اقبلو الاحترام

آپ کا خیر اندیش

انجینئر ایم۔ منظور احمد سیکرٹری جہیز توڑ ایسوسی ایشن

Adarts CAR-2/84

THE ORIGINAL
Have
and a smile.

THE ROARING LION OF AGRO-CHEMICAL INDUSTRY

BUBBER SHER UREA ®

THERE ARE PEOPLE WHO DO THINGS, AND THERE ARE PEOPLE WHO DO THINGS WELL.

AT DAWOOD HERCULES WE DO THINGS WELL ! RIGHT FROM OUR INCEPTION 12 YEARS AGO WE'VE BEEN ENGAGED IN A TREMENDOUS OUTPUT, ENSURING BETTER AND HEALTHIER CROPS AND STRENGTHENING THE NATIONAL ECONOMY. DURING THIS TIME WE'VE :

a. PRODUCED 4,000,000 TONS OF BUBBER SHER UREA.
b. SAVED MORE THAN US $ 750,000,000 IN FOREIGN EXCHANGE FOR PAKISTAN.
c. CONTRIBUTED RS. 2000,000,000 TO THE NATIONAL TREASURY IN THE FORM OF DEVELOPMENT SURCHARGE, DUTIES AND TAXES.
d. SAVED FERTILIZER SUBSIDY WORTH RS. 3000,000,000 IN OUR PRODUCTION WHICH WAS USED BY THE GOVERNMENT TO SUBSIDIZE FERTILIZER PRICES, GIVING AN ENORMOUS BENEFIT TO THE FARMER.

BROADLY SPEAKING WE ARE COMMITTED TO A BETTER QUALITY OF LIFE FOR OUR PEOPLE AND WE ARE DEVOTING OUR VAST TECHNOLOGICAL RESOURCES AND AGRO-CHEMICAL KNOW-HOW TO PROVIDING A VITAL INPUT FOR DEVELOPING HEALTHIER CROPS.

WE FEEL PROUD OF THESE ACHIEVEMENTS, AND SHALL CONTINUE TO PLAY OUR KEYROLE IN THE DEVELOPMENT OF AGRICULTURE AND ECONOMY OF PAKISTAN.

dh CHEMICALS

DAWOOD HERCULES CHEMICALS LIMITED
MAKERS OF BUBBER SHER UREA

DAWOOD CORPORATION LIMITED
DISTRIBUTERS OF BUBBER SHER UREA

Promoters

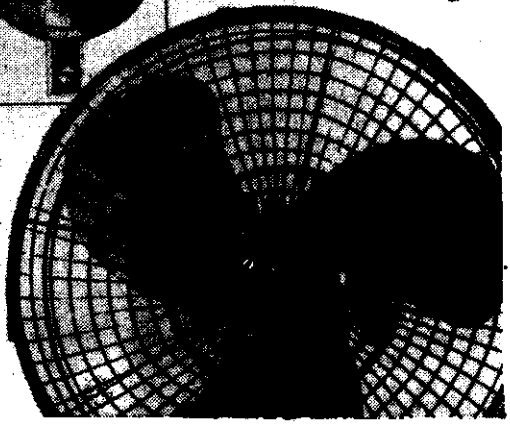

ہَوا سے باتیں کرنے والا
رائل فین
رائل فین گرم موسم میں آسائش
کا سامان پیدا کرتا ہے۔
آپ رائل فین پر فخر کر سکتے ہیں۔
سیلنگ فین: "56
قیمت: Rs 675/=
ROYAL
FANS
رفیق انجینئرنگ انڈسٹریز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ
رفیق آباد، جی ٹی روڈ، گجرات
گجرات فون: 3004 - 3011
کراچی سیلز آفس: 721491
لاہور سیلز آفس، 301286
راولپنڈی سیلز آفس: /4930

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیئور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان۔
فون: ۲۲۱۵۹۸-۳۱۲۷۵۴

SV ADVERTISING

طالبانِ علومِ قرآن کے لئے نوید جانفزا!

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

نے حال ہی میں قرآن اکیڈمی میں اپنے سلسلہ وار درس کے دوران

عُروسُ القرآن سُورۃُ الرّحمٰن

کا درس مکمّل کیا ہے جسے افادہ عام کیلئے آڈیو اور ویڈیو کیسٹس میں پیش کیا جا رہا ہے

آڈیو کیسٹ ——— چار عدد ہدیہ -/۸۰ روپے

ویڈیو کیسٹ ——— دو عدد ہدیہ -/۴۵۰ روپے

مزید برآں درج ذیل سُورتوں کے دروس پر مشتمل کیسٹ (آڈیو) بھی حاضر سٹاک میں دستیاب ہیں:

۱ — سُورۃ الفاتحہ	۱۴ — سُورۃ الاحقاف	۲۷ — سُورۃ المنافقون
۲ — سُورۃ الکہف	۱۵ — سُورۃ محمد	۲۸ — سُورۃ تغابن
۳ — سُورۃ مریم	۱۶ — سُورۃ الفتح	۲۹ — سُورۃ الملک
۴ — سُورۃ الاحزاب	۱۷ — سُورۃ الحجرات	۳۰ — سُورۃ القلم
۵ — سُورۃ الفاطر	۱۸ — سُورۃ قٓ	۳۱ — سُورۃ الحاقۃ
۶ — سُورۃ یٰسٓ	۱۹ — سُورۃ الذّاریات	۳۲ — سُورۃ المعارج
۷ — سُورۃ الصّٰفّٰت	۲۰ — سُورۃ الطور	۳۳ — سُورۃ نوح
۸ — سُورۃ صٓ	۲۱ — سُورۃ النّجم	۳۴ — سُورۃ المزّمل
۹ — سُورۃ الزّمر	۲۲ — سُورۃ القمر	۳۵ — سُورۃ المدّثر
۱۰ — سُورۃ الشوریٰ	۲۳ — سُورۃ الواقعہ	۳۶ — سُورۃ القیامہ
۱۱ — سُورۃ الزخرف	۲۴ سُورۃ الحدید	۳۷ — سُورۃ الدّھر
۱۲ — سُورۃ الدّخان	۲۵ — سُورۃ الصف	۳۸ -
۱۳ — سُورۃ الجاثیہ	۲۶ — سُورۃ الجمعہ	۳۹ -

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خُدامُ القرآن لاہور، ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن فون ۸۵۲۶۸۳

MONTHLY
MEESAQ
LAHORE

Regd. L. No. 7360
Vol. 36 No. 9
SEPTEMBER 1987

For Quality Products

ASIA

BATHROOM ACCESSORIES

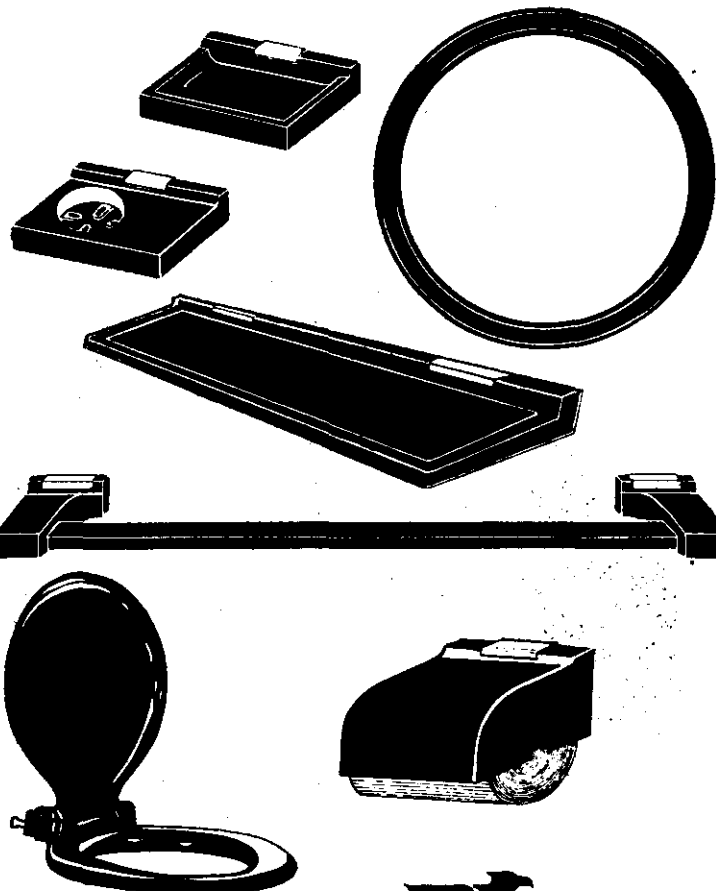

API

ASIA PLASTIC INDUSTRIES LAHORE